دسمبر ۲۰۰۰ء

ماہنامہ

میثاق

لاہور

بانی: ڈاکٹر اسرار احمدؒ

فضیلت صیام و قیامِ رمضان

بزبانِ صاحب قرآن ﷺ

عن ابی هریرة رضی الله عنه قال قال رسول الله ﷺ :

مَنْ صَامَ رَمَضَانَ اِيْمَانًا وَّاِحْتِسَابًا غُفِرَ لَهٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ وَمَنْ قَامَ رَمَضَانَ اِيْمَانًا وَّاِحْتِسَابًا غُفِرَ لَهٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ وَمَنْ قَامَ لَيْلَةَ الْقَدْرِ اِيْمَانًا وَّاِحْتِسَابًا غُفِرَ لَهٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ

(رواہ البخاری و مسلم)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا :

"جس نے رمضان کے روزے رکھے ایمان اور خود احتسابی کی کیفیت کے ساتھ اس کے پچھلے تمام گناہ معاف کر دیئے گئے اور جس نے رمضان (کی راتوں) میں قیام کیا (قرآن سننے اور سنانے کے لئے) ایمان اور خود احتسابی کی کیفیت کے ساتھ اس کے بھی تمام سابقہ گناہ معاف کر دیئے گئے اور جو لیلۃ القدر میں کھڑا رہا (قرآن سننے اور سنانے کے لئے) ایمان اور خود احتسابی کی کیفیت کے ساتھ اس کی بھی سابقہ تمام خطائیں بخش دی گئیں!"۔

(بخاری و مسلم)

وَاذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَمِيْثَاقَهُ الَّذِيْ وَاثَقَكُمْ بِهٖۤ اِذْ قُلْتُمْ سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا (القرآن)

ترجمہ: اور اپنے اوپر اللہ کے فضل کو اور اس کے اُس میثاق کو یاد رکھو جو اُس نے تم سے لیا جبکہ تم نے اقرار کیا کہ ہم نے سنا اور اطاعت کی

جلد : ۴۹
شمارہ : ۱۲
رمضان المبارک ۱۴۲۱ھ
دسمبر ۲۰۰۰ء
فی شمارہ -/۱۰
سالانہ زر تعاون -/۱۰۰

ماہنامہ

میثاق

لاہور

مدیر مسئول

ڈاکٹر اسرار احمد

ادارۂ تحریر

حافظ عاکف سعید

حافظ خالد محمود خضر

سالانہ زرِ تعاون برائے بیرونی ممالک

☆ امریکہ' کینیڈا' آسٹریلیا' نیوزی لینڈ 22 ڈالر (800روپے)

☆ سعودی عرب' کویت' بحرین' قطر' عرب امارات 17 ڈالر (600روپے)

بھارت' بنگلہ دیش' افریقہ' ایشیا' یورپ' جاپان

☆ ایران' ترکی' اومان' مسقط' عراق' الجزائر' مصر 10 ڈالر (400روپے)

ترسیل زر: مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

مکتبہ مرکزی انجمن خدّام القرآن لاہور رجسٹرڈ

مقام اشاعت: 36-کے ماڈل ٹاؤن' لاہور 54700' فون: 5969501-02-03
فیکس: 5834000 ای میل: anjuman@tanzeem.org

ویب سائٹ ایڈریس: www.tanzeem.org

مرکزی دفتر تنظیم اسلامی: 67-گڑھی شاہو' علامہ اقبال روڈ' لاہور
فون: 6316638-6366638 فیکس: 6305110
ای میل: markaz@tanzeem.org

پبلشر: ناظم مکتبہ مرکزی انجمن طابع: رشید احمد چوہدری مطبع: مکتبہ جدید پریس (پرائیویٹ) لمیٹڈ

مشمولات

☆ عرضِ احوال _____ ۳

حافظ خالد محمود خضر

☆ تذکرہ و تبصرہ _____ ۵

ہماری موجودہ حکومت کس کے سہارے کھڑی ہے؟

مختار حسین فاروقی

☆ حقیقتِ دین (۲) _____ ۱۵

ڈاکٹر اسرار احمد

☆ توحیدِ عملی (۷) _____ ۲۴

فریضہ اقامتِ دین سے ربط و تعلق

ڈاکٹر اسرار احمد

☆ منہاج المسلم (۱۱) _____ ۴۵

تقدیر پر ایمان

علامہ ابو بکر الجزائری

☆ فکر عجم _____ ۵۳

پیش گفتار

ڈاکٹر ابو معاذ

☆ کتاب نامہ _____ ۶۸

قیامِ اسرائیل اور نیو ورلڈ آرڈر (۶)

ڈاکٹر سفر الحوالی

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

عرض احوال

ماہِ رمضان المبارک نہ صرف نزول قرآن کا مہینہ ہے' بلکہ یہ اس منبع ایمان اور سرچشمہ یقین کے ساتھ تجدید تعلق کا مہینہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس ماہ مبارک میں اہل ایمان کو "صیام و قیام" کا جو دوگونہ پروگرام عطا کیا گیا ہے اس میں قرآن حکیم کو خصوصی اہمیت حاصل ہے۔ دن کا روزہ اور رات کا قیام اور اس میں قرآن کریم کا پڑھا اور سنا جانا رمضان المبارک کے پروگرام کی دو شقیں ہیں جن کا باہم دگر چولی دامن کا ساتھ ہے۔

امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد حفظہ اللہ نے رمضان کی راتوں کا زیادہ سے زیادہ حصہ قرآن حکیم کی معیت میں بسر کرنے کے لئے آج سے سولہ سال قبل نماز تراویح کے ساتھ "دورۂ ترجمہ قرآن" کا آغاز کیا تھا' جس نے بحمد اللہ بڑی مقبولیت حاصل کی اور اب تنظیم اسلامی کے زیر اہتمام دورۂ ترجمہ قرآن کا یہ پروگرام ملک کے طول و عرض میں کم و بیش ایک سو مقامات پر پیش کیا جا رہا ہے۔ کراچی میں بیس سے زائد مقامات پر اور لاہور میں چودہ پندرہ مقامات پر دورۂ ترجمہ قرآن کے پروگرام ہو رہے ہیں۔ قرآن اکیڈمی لاہور کی جامع القرآن میں' جہاں سے سولہ برس قبل اس کام کا آغاز ہوا تھا' ڈاکٹر عارف رشید صاحب دورۂ ترجمہ قرآن کروا رہے ہیں۔ اس ضمن میں کراچی کا حلقہ خواتین بھی بہت فعال کردار ادا کر رہا ہے اور شہر کے قریباً دس مقامات پر تنظیم اسلامی کی رفیقات دورۂ ترجمہ قرآن کی سعادت حاصل کر رہی ہیں۔ (تفصیلات کے لئے ندائے خلافت کا شمارہ ۴۶ اور ۴۷ ملاحظہ کیا جائے)۔ مزید برآں بیرون پاکستان بھی دورۂ ترجمہ قرآن کے پروگرام ہو رہے ہیں۔ خود امیر تنظیم اسلامی محترم ڈاکٹر اسرار احمد نیویارک میں (بزبان انگریزی) اور نائب امیر تنظیم حافظ عاکف سعید صاحب شکاگو میں دورۂ ترجمہ قرآن کی سعادت حاصل کر رہے ہیں۔ رفیق مکرم ڈاکٹر طاہر خاکوانی صاحب بھی نیویارک میں دورۂ ترجمہ قرآن کروا رہے ہیں۔ فالحمدللّٰہ علی ذلک!

☆ ☆ ☆

ماہ نومبر کے دوران امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد عمرہ کی ادائیگی کے لئے عازم

حجاز ہوئے۔ لہٰذا باغ جناح لاہور میں جمعہ کے ایک ہی خطاب (مورخہ ۱۰ نومبر) کا موقع مل سکا۔ ملکی، ملی اور بین الاقوامی حالات پر امیر تنظیم اسلامی کے اس خطاب جمعہ کا پریس ریلیز ہدیۂ قارئین ہے :

"بش یا الگور میں سے کوئی بھی صدر بنے امریکی پالیسی میں کوئی تبدیلی واقع نہیں ہوگی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ امریکہ کو ہر حال میں اپنے مفادات عزیز ہیں۔ تاہم الگور کی نسبت بش کی صدارت بہتر ہے کیونکہ الگور نے اپنے ساتھ ایک یہودی شخص کو نائب صدر کے عہدہ کے لئے نامزد کیا ہے۔ لہٰذا الگور کے صدر بننے کے بعد یہودیوں کے لئے امریکی صدارت کے عہدے پر قابض ہونا بہت آسان ہو جائے گا جو عالم اسلام کے لئے بہت خطرناک ہوگا۔ امریکہ عالمی قیامِ امن کی انہی کوششوں میں دلچسپی لیتا ہے جو اس کے مفاد میں ہوتی ہیں۔ اس کا واضح ثبوت یہ ہے کہ مشرقی تیمور میں عیسائی ریاست کے قیام کے لئے تو فوراً فوج بھیج دی گئی لیکن یاسر عرفات کی بار بار اپیلوں کے باوجود فلسطین میں فوج نہیں بھیجی گئی۔ فلسطین اسرائیل جھگڑا اب عرب اسرائیل تنازعے کی صورت اختیار کر چکا ہے اور گنبد صخرہ کے معاملے میں اب یاسر عرفات یا ایہود باراک کے لئے پیچھے ہٹنا ممکن نہیں رہا۔ لہٰذا اس مسئلے کا منطقی نتیجہ الملحمۃ العظمیٰ یا آرمیگاڈان ہی کی صورت میں ظاہر ہوگا۔

تنظیم الاخوان کے امیر مولانا اکرم اعوان صاحب نے حکومت کو نفاذ اسلام کا جو الٹی میٹم دیا ہے لائق تحسین ہے۔ البتہ مولانا اکرم اعوان صاحب کا یہ کہنا کہ اس تحریک لئے باہر آنے والے کارکنوں پر اگر گولیاں چلیں تو وہ بندوقیں چھین لیں گے' درست نہیں۔ کیونکہ اس صورت میں خانہ جنگی کا اندیشہ ہے' جس کے نتیجے میں نفاذ اسلام کی منزل قریب آنے کی بجائے دور ہو سکتی ہے۔ اگر اس احتجاجی تحریک کا معاملہ یک طرفہ رہے تو کامیابی کی زیادہ امید ہے۔

جماعت اسلامی کے عظیم اجتماع قرطبہ میں میری جانب سے دینی جماعتوں کو پہلے ہی ایسی تجویز دی جا چکی ہے کہ تمام دینی جماعتیں حکومت کو ۲۷/ رمضان المبارک تک ملک میں نفاذ شریعت' سودی نظام کے کامل

(باقی صفحہ ۱۴ پر)

ہماری موجودہ حکومت کس کے سہارے کھڑی ہے؟

مختار حسین فاروقی' امیر حلقہ تنظیم اسلامی پنجاب وسطی

انسانی زندگی کے دو پہلو تو نہایت واضح ہیں اور دلیل کے محتاج نہیں' ایک انفرادی زندگی اور دوسرا اجتماعی زندگی۔ ہر شخص کا تجربہ ہے کہ انفرادی اور ذاتی سطح پر انسان پر بہت سے داخلی اور خارجی حالات گزرتے ہیں جو زندگی کو متأثر کر جاتے ہیں۔ انسان کی اندرونی کیفیات اور سکون و بے چینی کی حالت بعض اوقات انسان سے اضطراری فیصلے سرزد کرا دیتی ہے جو بعد میں از خود غیر معقول محسوس ہوتے ہیں۔ ایسی ہی ایک کیفیت کا ذکر غالب مرحوم فرما گئے ؎

رو میں ہے رخشِ عمر کہاں دیکھئے تھمے
نے ہاتھ باگ پر ہے نہ پا ہے رکاب میں!

اب ایسے فیصلے جو کوئی انسان "نہ ہاتھ باگ پر....." والی کیفیت میں کرے گا وہ کتنے مؤثر' کتنے معقول' اور کتنے دیرپا ہوں گے' از خود واضح ہیں۔

دوسرا پہلو اجتماعی زندگی کا ہے۔ اگرچہ اجتماعی زندگی میں قومی مزاج' تاریخ' عالمی حالات' اجتماعی شعور اور اجتماعی نصب العین کو بہت زیادہ دخل حاصل ہے' مگر حکومتی سطح پر معاملات بالآخر چند انسانوں تک ہی محدود ہو جاتے ہیں اور ان چند ارباب بست و کشاد کی ذاتی پسند و ناپسند' افتادِ طبع' گھریلو ماحول اور بین الاقوامی حالات کا دباؤ ان کو بھی اسی طرح متأثر کرتا ہے جیسے ایک عام انسان کو' مگر ان کے اچھے یا بُرے فیصلے (صحیح یا غلط) پورے ملک اور قوم کو کسی نئے رخ پر ڈال دیتے ہیں۔ صحیح فیصلے قوموں کو منزلِ مراد تک لے جاتے ہیں اور اجتماعی نصب العین کا حصول نزدیک تر ہو جاتا ہے یا غلط فیصلے ملک و قوم کو قعرِ مذلّت میں گرا دیتے ہیں اور "یک لحظہ غافل گشتم و صد سالہ راہم دُور شد" والی کیفیت سے دوچار کر دیتے ہیں۔

پاکستان کی موجودہ حکومت میں بھی اختیارات معدودے چند ہاتھوں میں مرتکز ہو کر رہ گئے ہیں اور اندریں حالات ان کے فیصلے پوری قوم اور اجتماعیت کے لئے "امر" اور "تقدیر مبرم" بن کر نافذ ہو رہے ہیں۔ یہ بات واضح ہے کہ ایسے حالات میں ان چند افراد کی داخلی اور ذاتی کیفیات پوری قوم کے مستقبل پر ازحد اثر انداز ہو رہی ہیں۔

ایک ممکن صورت یہ ہو سکتی ہے کہ موجودہ حکومت اور اس کی ٹیم مسائل سے پوری طرح آگاہ ہے۔ تاریخ پاکستان، قیام پاکستان، نظریہ پاکستان، اسلام اور قرآن سمیت قومی نصب العین سے آگاہی کے ساتھ ساتھ قوم کو اس اجتماعی نصب العین کے حصول کے لئے تیاری کے مراحل سے بھی واقف ہے اور عالمی حالات کے تناظر اور اپنے وسائل کے مطابق ان کے حصول کے لئے سر دھڑ کی بازی بھی لگا رہی ہے۔ دشمنوں سے واقف اور ان کی چالوں کے اسرار و رموز سے آگاہ اور ان کے توڑ کرنے اور ان کو خاک میں ملانے کے لئے ہمہ وقت چاق و چوبند۔ اس راہ میں انسانی غلطی کا امکان تو رہتا ہے مگر اس کو بھی مشورہ سے کم کیا جا سکتا ہے۔ اگر یہ صورت ہے تو یقیناً قوم و ملک کی خوش قسمتی ہے اور اس پر جتنا فخر و مباہات کا اظہار کیا جا سکے مناسب ہے۔

دوسری صورت جو ممکن ہے (اگرچہ اس کے درجے اور shades بے شمار ہو سکتے ہیں) کہ ہماری موجودہ حکومت (سابقہ کئی حکومتوں کی طرح) حقیقی مسائل سے آگاہ ہے نہ اس کے ماضی اور مستقبل کے بارے میں متفکر۔ اسے نہ قومی ترجیحات سے غرض ہے اور نہ اجتماعی نصب العین سے۔ وہ نہ اسلام کی ترجیحات سے واقف ہے نہ سیاسی و ملکی۔ وہ نہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے مخلص نظر آتی ہے اور نہ ابنائے وطن سے۔ وہ نہ دوست کو پہچانتی ہے نہ دشمنوں کا شعور رکھتی ہے۔ ان حالات میں انسانی غلطی کے امکان کے ساتھ جو فیصلے بھی ہوں گے وہ قوم و ملک کو اس کے اجتماعی نصب العین اور مقصد سے دور ہی لے جائیں گے۔ اس کا مقصد اغیار کو خوش کرنا اور سادہ لفظوں میں اپنے لئے آرام کی راہیں تلاش کرنا اور اپنی حکومت کو طول دینے کے سوا کچھ اور نہیں ہو سکتا۔

خدانخواستہ اگر یہ صورت حال ہو تو پھر قوم جن خطرات میں گھری ہے اور گھری رہے گی وہ اہلِ علم سے مخفی نہیں ہیں۔ دن بدن ترقی و پھیلاؤ تو درکنار اپنے بقاء و

وجود کے لئے خطرات بڑھتے چلے جائیں گے اور محاورتاً ہی نہیں حقیقتاً قوم اور ملک ایک بند گلی میں پہنچ جائے گا یا دشمن کے کسی منصوبے میں پھنس کر (۱۹۷۱ء کی طرح) پاش پاش بھی ہو سکتا ہے۔

انفرادی سطح پر بھی آدمی جب کوئی اہم کام کرتا ہے تو دیگر اسباب کے ساتھ ساتھ ایک ذہنی سہارا تلاش کرتا ہے۔ یہ سہارا برادری کا ہو سکتا ہے کہ اس کی حمایت مجھے حاصل ہے، محلّہ داری کا ہو سکتا ہے، دوستوں کی حمایت کا ہو سکتا ہے، سیاسی روابط کا ہو سکتا ہے، کسی کلب کی ممبرشپ کا ہو سکتا ہے، سماجی تعلقات ہو سکتے ہیں، غرض تعلقات سے لے کر ذاتی حیثیت و مرتبہ اور روپیہ پیسہ تک اس مرحلہ پر انسان کے کسی جارحانہ فیصلے اور اس کی تکمیل میں اندرونی اطمینان اور ذہنی سہارے کا کام دیتے ہیں کہ یہ میرے ممدّ و معاون ہیں اور ناکامی کی صورت میں یہ مجھے برے نتائج سے بھی بچائیں گے۔

اجتماعی سطح پر چونکہ بالآخر معاملات چند انسانوں ہی کے ہاتھ میں ہوتے ہیں لہٰذا آخری تجزیئے میں حکومتی اور بین الاقوامی معاملات بھی بالکل ذاتی اور نجی نوعیت کے فیصلوں پر چلتے ہیں، بلکہ "ذاتیات" تک کا لفظ بھی بے موقع نہیں ہوگا۔ لہٰذا موجودہ حالات میں ہماری حکومت کے معاملات جن چند ہاتھوں میں ہیں اور وہ بڑے دُور رَس فیصلے کر رہے ہیں (جن میں بعض شدید عوامی تنقید و مخالفت کا بھی نشانہ بن رہے ہیں) قطع نظر اس سے کہ اوپر درج شدہ دو صورتوں میں سے کس پلڑے میں جاتے ہیں، آیئے دیکھتے ہیں کہ حکومت کے لئے ان فیصلوں کے پیچھے اور ان کی تنفیذ کے لئے اور سب سے زیادہ ان فیصلوں کے ممکنہ ناپسندیدہ اثرات سے بچانے کے لئے کیا ممکنہ صورتیں ہو سکتی ہیں اور اس کے بعد بآسانی سمجھ میں آجائے گا کہ آیا ملک و قوم کی کشتی دن بدن منجدھار اور گہرے پانیوں میں اپنے نصب العین سے دور جا رہی ہے یعنی مقصد قیام پاکستان کو کھو رہی ہے یا مشکل حالات سے آہستہ آہستہ نکل کر معاشی تنگی کے حالات ہی سہی اجتماعی اور قومی مقاصد کے حصول میں نمایاں پیش رفت کر رہی ہے۔

مضمون کے اصل حصے کی طرف آتے ہوئے آیئے ایک ایک کر کے واضح کرتے ہیں کہ ہماری حکومت کے ممکنہ سہارے کون کون سے ہو سکتے ہیں۔

① خالص معروضی طور پر اور زمینی حقائق کو سامنے رکھتے ہوئے ہماری حکومت کا پہلا ممکنہ سہارا یہ ہو سکتا ہے کہ ملک کے عوام کی عظیم اکثریت نہ سہی واضح اکثریت ان کے ساتھ ہے۔ شاید یہ کہنا بے جا نہ ہو گا کہ حکومت نے پہلے سو دنوں میں عوام کی عظیم اکثریت حکومتی اقدامات کی حمایت میں تھی' مگر بعد کے دنوں میں نہایت تیزی سے یہ گراف گرا ہے اور اب صورت یہ ہے کہ معاشی میدان میں تاجروں سے کشمکش اور عام آدمی کے لئے اشیائے ضرورت کی گرانی اور بے روزگاری کی کیفیت نے یہ تأثر پیدا کر دیا ہے کہ اب حکومت کے ایک سال مکمل ہونے پر شاید ۵ فیصد عوام بھی حکومت کے out right حمایتی نہ ہوں۔ لہٰذا یہ سہارا اگر حکومت کے پاس تھا تو اب نہیں ہے۔

② دوسرا ممکنہ سہارا ڈنڈے کے زور پر ملک چلانے اور ملک کو پولیس سٹیٹ بنا کر رکھنے کے لئے یہ احساس ہے کہ سرکاری مشینری (بیوروکریسی) اور پولیس حکومت کی غیر مشروط حامی ہے۔

اس صورت پر غور کریں تو سامنے آئے گا کہ سرکاری مشینری اولاً تو کسی حکومت کی بھی غیر مشروط حمایتی نہیں ہوتی اور عام سرکاری ملازم کی ۳۰-۳۵ سالہ سروس میں کئی حکومتیں آتی جاتی رہتی ہیں' لہٰذا اس معمول اور مشاہدہ کی بناء پر یہ سمجھنا سخت غلطی ہو گی کہ سرکاری مشینری بہ دل و جان ہمارے ساتھ ہے اور اسی طرح پولیس بھی۔

مزید برآں سرکاری مشینری کے سینئر اہل کاران (گریڈ ۲۰ اور اس کے اوپر کے عہدیدار) تو عام طور پر قوم کے مجموعی مورال اور اخلاقی قدروں کے زوال کے زیر اثر اونچے درجے کی رشوت سے بہت کچھ کما لیتے ہیں جس کا چرچا بھی سرکاری حلقوں میں کوئی ڈھکا چھپا نہیں ہے۔ رہے نچلے طبقے کے سرکاری ملازمین تو ان میں دیانتدار تو عوام کی طرح مہنگائی اور اشیائے صرف کی قیمتوں میں ہوشربا گرانی سے بے چین ہیں' جبکہ بددیانت انتظامی افسران اور دیگر رشوت خور اہلکار چاہے کسی گریڈ سے ہوں اپنے عوام دشمن رویے سے عوام کو حکومت سے بددل کرنے کے عمل کو تیز تر کر رہے ہیں۔

احتساب کی نیم دلانہ پالیسی کی نمائشی کوششوں سے کچھ مخلص اور حکومتی خیر خواہ افسران کو اگلی حکومت کے احتساب کا خوف روک کر رکھ رہا ہے' اس لئے کہ اگر واقعی

احتساب ہوتا اور صرف نااہل اور بد دیانت ہی کیفر کردار تک پہنچتے تو عام تأثر بڑا مختلف ہوتا اور دیانتدار لوگ حوصلہ پاتے اور آگے بڑھتے' مگر موجودہ صورت میں ایسا بہرحال نہیں ہے۔ نتیجتاً سرکاری مشینری اور پولیس بھی حکومت کی پالیسیوں کو آنکھیں بند کر کے آگے بڑھانے والی قوت یا غیر مشروط حامی نہیں ہو سکتی اور نہ ہے۔

③ اندرون ملک تیسرا ممکنہ سہارا موجودہ حکومت کے لئے فوج کا ہو سکتا ہے کہ ہماری فوج الحمدللہ بڑی نظریاتی اور پیشہ ورانہ صلاحیتوں کی حامل ہے اور اس کی صلاحیتوں کی دنیا معترف ہے۔ یہ بات بجا ہے' مگر ذرا ٹھنڈے دل سے سوچیں کہ فوج بھی آخر ہمارے اندر سے ہی ہے اور ہمارے ہی بھائی بند اور اعزّہ و اقارب۔ لہٰذا وہ عام ملکی حالات میں (بالخصوص اس انفارمیشن ٹیکنالوجی کے دور میں) متأثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتی۔ اور پھر فوج میں بھی اکثریت تو بہرحال ایسے افراد کی ہی ہو گی جو مہنگائی کے اس دور میں اشیائے صرف کی عدم دستیابی کا تجربہ کر رہے ہیں اور گھر میں اخراجات کی فراہمی پر ہر روز ناکامی کے احساس پر قومی جذبے کو کب تک فوقیت دیتے رہیں گے؟

پھر فوج کا ایک معتدبہ حصّہ عوامی اور انتظامی قسم کے معاملات میں لگا دیا گیا ہے جس سے ان کا واسطہ سرکاری اہل کاران اور عوام کے کرپٹ طبقے سے زیادہ پڑتا ہے۔ لہٰذا ہمارے وہ فوجی بھائی جو Fair Play اور order is order اور امانت و دیانت کے اوصاف سے متصف ہوتے ہیں جب عوام سے خلط ملط ہوتے ہیں اور اپنی پالیسیوں کی تنفیذ نہیں کر سکتے اور ناکامی دیکھتے ہیں تو اولاً اسی راہ پر چل پڑتے ہیں جس لوٹ کھسوٹ کی راہ پر دوسری سرکاری مشینری اور پولیس چل رہی ہے۔ یا ثانیاً اس راہ سے بچنے کا ارادہ کرتے ہیں تو کہاں سرکاری فوجی بیرکوں میں آرام و سکون کی روایتی فوجی مشقیں اور مجاہد فی سبیل اللہ ہونے کا ایک گونہ باطنی سکون اور کہاں گلی گلی کوچہ کوچہ دربدر عوامی رد عمل کا شکار ہونے کا احساس۔ ہمارا عام مخلص سپاہی لازمی طور پر بد دلی کا شکار ہو رہا ہے اور اوپر درج دونوں صورتیں فوج کے اندر ہی دو رائیں پیدا کرنے کا سبب بن سکتی ہیں' جس کی کوئی تردید نہیں کر سکتا۔

لہٰذا حکومت کے لئے فوج کو ذہنی سہارا سمجھنا بھی شاید فوری نہیں تو زیادہ دیر ممکن

نہیں رہے گا۔ اور اہلِ نظر کے نزدیک تو یہ تبدیلی بڑی تیزی سے آ رہی ہے۔

④ اندرونِ ملک مذہبی اور دینی عناصر کا اطمینان (بہت ساری ملکی گندگیوں اور خرابیوں کے باوصف) کسی حکومت کے لئے سہارا ہو سکتا ہے اور حکومت لمبی تان کر سو سکتی ہے، مگر غور کریں تو معلوم ہو گا کہ موجودہ حکومت کو یہ سہارا ابھی میسّر نہیں ہے۔

انفارمیشن ٹیکنالوجی کے نام پر کیبل ٹی وی کی وبا عام ہو چکی ہے (پہلے ڈش کلچر نے کون سی کسر چھوڑ رکھی تھی) اور مزید برآں انٹرنیٹ کے فروغ میں ہماری حکومت دیوانی ہو رہی ہے جس سے ع "فکرِ ہر کس بقدر ہمتِ اوست" کے مصداق عام آدمی تو دینی معلومات (جو کہ انٹرنیٹ پر ہیں ہی نہیں) تو کجا مطالعہ کا شوق بھی کہاں سے پورا کرے گا، وہ تو تازہ فحاشی عریانی اور فلمی مناظر کے لئے پاگل ہو رہا ہے اور عام کہا جا رہا کہ ہماری حکومت آٹا مہنگا کر رہی ہے اور انٹرنیٹ فری کر رہی ہے۔

نتیجتاً ملک کے دینی اور مذہبی عناصر بھی حکومت کے ساتھ نہیں ہیں اور اس کا احساس حکومت کو بھی ہے کہ صوبہ سرحد اور چترال میں NGOs کے ساتھ جو ہو رہا ہے وہ حکومت کے علم میں ہے۔ لہٰذا یہ سہارا بھی حقیقی طور پر حکومت کو حاصل نہیں ہے۔ اگر ہے بھی تو قابلِ اعتبار نہیں ہے۔

⑤ ایک اور ممکنہ سہارا عوام کا معاشی طور پر خوشحال اور باروزگار ہونا ہے۔ اگر اس دور میں لوگوں کو روزگار کے مواقع میسر ہوتے، کارخانوں، ملوں، اور عام تعمیراتی میدانوں میں لوگ اپنی گذران کے لئے آمدنی اور روزگار سے مطمئن ہوتے تو سیکولر سطح پر ہی سہی ایک اطمینان کی لہر ملک پر حاوی ہوتی۔ اس میں زیادہ حصہ ہمارے تاجروں اور صنعت کاروں کا ہو سکتا تھا مگر Documentations of Economy کے خیر ہی سے شربرآمد ہو چکا ہے کہ ملک میں روزگار کے مواقع نئی سرمایہ کاری نہ ہونے کی وجہ سے ختم ہو چکے ہیں۔ لہٰذا عمومی عوامی اطمینان اور خوشحالی بھی ہماری حکومت کے حصے میں نہیں آ رہی ہے، جس سے یہ سہارا بھی میسر نہیں ہے۔

⑥ اندرونِ ملک آخری ممکنہ سہارا وہ طبقات ہیں جن کو حکومت بظاہر فائدہ پہنچانے کی کوشش کر رہی ہے یا جن کو مفادات اٹھانے کے مواقع مل رہے ہیں، یعنی وہ مفاد یافتہ

طبقات جن کے آہستہ آہستہ اس حکومت سے مفادات وابستہ ہو رہے ہیں۔ ان طبقات میں سرفہرست NGOs ہیں۔ یہ ادارے ایک منصوبہ بندی کے تحت مغرب نے تیسری دنیا کے ممالک کے لئے بطور تریاق ایجاد کئے اور پھیلائے ہیں جس سے انہیں مفادات حاصل ہو رہے ہیں۔ مختصراً یہ طبقات حکومت کے اسی وقت تک ہم نوا اور حامی ہو سکتے ہیں جب تک حکومت انہیں نوازتی رہے گی۔ تاہم ہمارے ہاں کے راسخ العقیدہ مسلمان اور علماء اس طبقے کی آزاد خیالی آوارگی اور ذہنی انتشار برداشت نہیں کر سکتے' لہٰذا ان اداروں کی ملک دشمن سوچ اور سرگرمیاں حکومت کے خلاف ہی جائیں گی۔

دوسرا مفاد یافتہ طبقہ وہ خواتین ہیں جنہیں حکومتی پالیسیاں ترقی اور بیداری کے نام پر اٹھانے اور مردوں کے شانہ بشانہ لانے کے لئے اعلان عام کا درجہ رکھتی ہیں۔ بلدیاتی اداروں اور ضلعی اداروں میں ۳۰ فیصد خواتین کی نمائندگی اسی کا مظہر ہے (ہم خواتین کے حقوق اور ان کی تعلیم و ترقی جو اسلام کے اندر رہ کر ممکن ہے اس کے خلاف نہیں) مگر اس تگ و دو کا تاریک پہلو یہ ہے کہ ملک کی نصف آبادی کے نام پر وسائل چند ہزار مغرب زدہ خواتین کے ہاتھ آتے ہیں اور وہ اپوا اور دیگر سوشل ویلفیئر کے اداروں کے نام سے شاہانہ ٹھاٹھ باٹھ پر خرچ کر دیتی ہیں۔ لہٰذا طبقہ خواتین کی طرف سے مجموعی طور پر کوئی مؤثر آواز حکومت کے حق میں نہیں ہو سکتی۔ اس ملک کی عام خواتین کبھی بھی ان مغرب زدہ اور اخلاق باختہ خواتین کو اپنا رہنما ماننے کو تیار نہیں اور وہ خود بھی خواتین کی نمائندہ کہلانے کی مستحق نہیں۔

دیگر مفاد یافتہ طبقات اس سے بھی قلیل اور ملکی معاملات میں انتہائی غیر مؤثر ہیں۔

اب آیئے ایسے سہاروں کی طرف جو بیرون ملک ہیں اور غیر ملکی آقاؤں کے نمائندے ہیں یا ان کے زیر اثر۔

⑥ ان بیرونی ممکنہ سہاروں میں سے سرفہرست UNO یعنی اقوام متحدہ کا ادارہ ہے۔ بظاہر بڑا خوش کن نام ہے کہ یہ عالمی برادری کا ایک فورم ہے۔ ہمارے گھمبیر مسائل کے لئے سلامتی کونسل کی قراردادوں پر عملدرآمد ہو جائے تو ملکی ترقی و خوشحالی کی راہ ہموار ہو جائے گی۔ مگر یہ ایک دھوکہ ہے۔ UNO امریکہ اور بالآخر یہودی

صیہونیت کا ایک مظہر ہے اور گزشتہ پچاس سال کی تاریخ گواہ ہے کہ ملائشیا اور تیموریہ کا مسئلہ ہو یا اسرائیل کے خلاف عراق کا' پوری شدت سے ردِ عمل ہوا' مگر کشمیر کے ضمن میں اتنی بے اعتنائی کہ سوچی نہ جاسکے۔ لہٰذا یہاں سے کسی امداد یا دستگیری کی توقع فضول ہے اور چیف ایگزیکٹو کے حالیہ دورۂ امریکہ کے بعد یہ بات کسی مزید دلیل کی محتاج نہیں۔

⑧ ایک اور سہارا امریکہ کا ہو سکتا ہے۔ اس زمین پر عالمِ اسباب میں وہ ایک Sole Supreme Power کا درجہ حاصل کر چکا ہے اور ایک بدمست دیو ہیکل جنگلی درندے کی طرح اپنی پالیسیاں ٹھونسنے اور کمزور اقوام کو دبانے اور نگلنے کے راستے پر چل نکلا ہے۔

امریکہ کی اپنی ترجیحات اور پالیسیاں ہیں۔ اس فریم ورک میں ایک بے جان پرزہ بن کر تو سمجھا جا سکتا ہے کہ امریکہ ہمارا حمایتی ہے' مگر ایک آزاد اور خود مختار قوم جو اپنے الگ مفادات رکھتی ہو' ایک نظریہ کی حامل ہو' اپنی منزل اور نصب العین کے لئے تگ و دو کر رہی ہو' جو بہرحال امریکہ کے مفادات سے متصادم بھی ہو تو اس امریکہ بہادر سے کیا توقع ہو سکتی ہے؟ اس صورت حال کا نقشہ دورۂ کلنٹن کے موقع پر سامنے آچکا ہے کہ اگر پاکستان سر جھکا کر ہماری پالیسیوں کو آگے بڑھانے کے عمل میں حصہ دار نہیں بنے گا تو وہ ایک ناکام ملک اور ناکام قوم کہلائے گی۔ اس پر کہا گیا کہ امریکہ نے پاکستان کو تنہا کر دیا ہے اور دھوپ میں کھڑا کر دیا ہے۔ ان حالات میں اپنی ترجیحات کے ساتھ زندگی گزارنے کے لئے بھی امریکہ کا سہارا نہ ہونے کے برابر ہے۔

⑨ بیرون ملک ہمارے کرم فرماؤں میں عالمی مالیاتی اداروں کی بھی اہمیت ہے۔ اگرچہ یہ ادارے امریکہ اور بالآخر یہودی ساہوکاروں اور سود خوروں کے زیر انتظام ہیں لہٰذا ان کے قرضوں پر امید لگا کر کوئی قومی ترقی یا ملی نصب العین کے حصول اور اس کی طرف پیش قدمی کا خواب دیکھنا بھی شاید ممکن نہ ہو۔ مقروض قوم کا اپنا آزاد مدّعا اور نصب العین نہیں ہو سکتا' اسے قرض خواہ کے احکام اور پالیسیاں ہی آگے بڑھانا پڑتی ہیں۔ موجودہ حالات میں ہم سابقہ قرض کیسے اتاریں گے؟ سود کی ادائیگی کے لئے مزید قرضہ سخت اور ذلّت آمیز شرطوں پر لینا پڑتا ہے اور بے رحم قرض خواہ اب تو ہمارا اور ہمارے

عوام کا خون چوس کر بھی راضی نہیں ہے' قرض کی وصولی کے لئے ہر حربہ استعمال کرنے پر آمادہ نظر آتا ہے۔ سابقہ حکومتوں سمیت موجودہ حکومت کے اقدامات (معیشت کی دستاویز بندی' افغانستان سے کشیدگی وغیرہ) سب آئی ایم ایف اور ورلڈ بنک کی ڈکٹیشن ہی محسوس ہوتی ہے۔ ہماری معیشت ان اداروں کا سود دینے کے قابل نہیں ہے۔ ہمارے بجٹ کا ایک معتدبہ حصہ سود کی ادائیگی پر خرچ ہو جاتا ہے۔ لہٰذا یہ سہارا بھی قومی اور ملّی وجود کے لئے کینسر کی سی حیثیت رکھتا ہے اور ان اداروں کی موجودگی میں قیام پاکستان کے مقاصد کی طرف پیش قدمی ہو ہی نہیں سکتی۔

⑩ آخری سہارے کے طور پر ہمارے پاس ایک ایسا سہارا موجود ہے جو ان سب سہاروں سے بڑا بھی ہے اور نہایت قابل اعتماد بھی' اس کو ہم سے ہمدردی بھی ہے اور اس کی نگاہ میں شفقت و رحمت بھی۔ اس کو قدرت حاصل ہے کہ ہمیں قعرِ ذلّت سے نکال کر اقوامِ عالم میں نمایاں مقام پر لا کھڑا کر دے۔ اس کو پاکستان کے وجود سے بھی محبّت ہے اور ہمارے قومی اور ملی نصب العین سے بھی لگاؤ۔ اس کو ہر فردِ مُسلم بھی عزیز ہے اور ملت اسلامیہ بھی۔ وہ ہے ذاتِ باری تعالیٰ خالق کائنات اللہ جل شانہ۔ لیکن ہماری حکومت نے اس ہستی سے بھی جنگ لگا رکھی ہے کہ سود کا خاتمہ ممکن نہیں۔ ہماری حکومت ۱۷۰ ارب سے لے کر ۱۸۰ ارب روپے تک اندرونِ ملک سود ادا کرتی ہے اور بیرون ملک سود ۲۰۰ ارب کے لگ بھگ مزید ہے۔

پھر فحاشی و عریانی کا سیلاب ہے' انٹرنیٹ فری کیا جا رہا ہے۔ آج ہمارے نظام میں اسلامی تعلیمات تو کجا ملک و قوم کی بہتری اور ملی و قومی شعور کا بھی فقدان ہے۔ اندریں حالات یہ آزادی ـــــ اور انفارمیشن ٹیکنالوجی کے نام پر دنیا کے معلوماتی خزانے تک رسائی۔ بقول اقبال ؎

ہو فکر اگر خام تو آزادیٔ افکار
انسان کو حیوان بنانے کا طریقہ

آج کی نوجوان نسل واقعی اس سیلاب میں بہہ رہی ہے اور حیوانیت کے کنارے پہنچ چکی ہے جہاں مغرب اخلاقی اعتبار سے کئی عشرے پہلے کھڑا الامان' الامان' پکار رہا ہے۔

نتیجتاً یہ سہارا بھی ہماری حکومت کی پشت پر نہیں ہے۔ للٰذا بلاخوفِ تردید کہا جا سکتا ہے کہ حکومت کس سہارے پر کھڑی ہے؟ اور اس طرح کتنے دنوں تک زندہ رہا جا سکتا ہے؟

ہر مسلمان کی خواہش تو یہی ہے کہ حکومت جلدی سے اللہ تعالیٰ کی مضبوط رسّی کو تھام لے اور اللہ کا نام لے کر باقی تمام سہاروں سے اعلانِ بغاوت کر کے ملّت کی کشتی کو نصف صدی کے طوفانوں سے نکال کر کنارے لگا دے' کاش کہ ایسا ہو جائے ؎

این دعا از من و از جملہ جہاں آمین باد!

بقیہ : عرضِ احوال

انسداد اور بلدیاتی اداروں میں خواتین کی ۳۳% نمائندگی کے فیصلہ کی واپسی کے لئے الٹی میٹم دیں۔ اگر حکومت اس کی تعمیل نہ کرے تو یکم جنوری ۲۰۰۱ء سے عوامی تحریک شروع کرنے کا فیصلہ کیا جائے۔ میری ان تجاویز کی تائید تمام شرکاء اجتماع نے ہاتھ اٹھا کر بھرپور انداز میں کی۔ للٰذا اب یہ امیر جماعت اسلامی قاضی حسین احمد اور دینی جماعتوں کی ذمہ داری ہے کہ وہ اس قرارداد کے مطابق تحریک چلانے کا فیصلہ کریں۔ دینی جماعتوں نے آج تک کسی دینی ایشو پر تحریک چلانے کی بجائے سیکولر جماعتوں کے ساتھ مل کر صرف سیاسی ایشوز پر تحریک چلائی' جس کی وجہ سے پاکستان میں اسلامی نظام نافذ نہ ہو سکا۔ اگر دینی جماعتیں اب بھی متحد ہو کر نفاذ شریعت کے لئے تحریک چلائیں تو انہیں ان شاء اللہ ضرور کامیابی حاصل ہو گی''۔

تنظیم اسلامی کا پیغام
نظام خلافت کا قیام

پاکستان ٹیلیویژن پر پیش کیا جانے والا سلسلہ وار پروگرام

حقیقت دین

امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد

(۲)

خطبہ مسنونہ اور تعوذ و تسمیہ کے بعد فرمایا :

آج ہماری گفتگو کا عنوان حقیقت ایمان ہے۔ ایمان کے بارے میں اگر آپ اپنے یا دوسرے شخص سے سوال کریں کہ ایمان کے معانی کیا ہیں؟ تو شاید اکثر لوگ ہکّا بکّا رہ جائیں۔ وہ کہیں گے ایمان کے معانی کیا ہیں؟ ایمان کے معانی ایمان ہی ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ایمان کے لفظی معانی پر اکثر و بیشتر غور نہیں ہوتا۔ ایمان ہمارے دین کی ایک اہم اصطلاح ہے۔ اصطلاحات کے لئے الفاظ تو وہی اختیار کئے جاتے ہیں جو عام زبان میں مستعمل ہوتے ہیں لیکن ان میں پھر ایک خاص مفہوم پیدا کیا جاتا ہے۔ ہمیں ایمان کے مفہوم کو سمجھنے کے لئے سب سے پہلے اس کے لفظی معنی پر غور کرلینا چاہئے۔ اس ضمن میں یہ حقیقت پیش نظر رہے کہ عربی زبان میں نو سو ننانوے فی ہزار الفاظ ایسے ہیں جن کا ایک سہ حرفی مادہ ہوتا ہے' اسی سے الفاظ بنتے چلے جاتے ہیں اور ان میں نئے نئے معانی پیدا ہوتے جاتے ہیں۔ مثلاً ایک لفظ "علم" (ع ل م) ہے۔ اس سے مختلف الفاظ یعنی عالم' علّامہ' معلوم' علامت' عالم' استعلام وغیرہ بنتے چلے جائیں گے۔ یہ سارے الفاظ اس مادے (root) "ع ل م" سے نکل رہے ہیں۔ اسے یوں سمجھئے جیسے درخت کی جڑ ہوتی ہے جو زمین میں مضبوطی کے ساتھ گڑی ہوئی ہوتی ہے لیکن اس کی شاخیں آسمان سے باتیں کر رہی ہوتی ہیں۔ اسی طرح وہ جڑ یعنی سہ حرفی مادہ اپنی جگہ برقرار رہے گا اور مختلف الفاظ کے اندر اضافی مفہوم پیدا ہوتے چلے جائیں گے۔

لفظ ایمان کا مادہ "امن" ہے۔ امن سے مراد ایسی کیفیت ہے جس میں کوئی خوف'

ڈر، غم، اندیشہ اور کوئی حزن نہ ہو۔ اس سے ایک لفظ استعمال ہوتا ہے اَمِنَ، یَاْمَنُ، اَمْنًا وَ اَمَنَۃً جس کے معانی امن میں ہونا ہیں۔ اس سے اسم فاعل "اٰمِنٌ" بنتا ہے، یعنی جو شخص امن میں ہے۔ ہر زبان میں یہ بات ہوتی ہے کہ اگر اس کے کسی لفظ کے ساتھ preposition لگادیں تو معانی کے اندر اضافی مفہوم پیدا ہو جاتا ہے۔ انگریزی میں ایک لفظ "to give" کے بعد "up" لگا دیں تو "to give up" کے معانی کچھ اور ہوں گے۔ اسی طرح to give in کے معانی کچھ اور ہوں گے۔ up اور in کے اضافے کے ساتھ دونوں معانوں میں زمین و آسمان کا فرق واقع ہو جائے گا۔

عربی زبان میں صلے کے اضافے کے ساتھ اتنا لمبا چوڑا فرق واقع نہیں ہوتا لیکن کچھ نہ کچھ اضافی مفہوم ضرور آجاتا ہے۔ اٰمِنَ، یَاْمَنُ کے بعد "بِ" اور "علٰی" آجائے تو اس کے معانی "کسی کو امین بنانا" اور "کسی کے پاس امانت رکھنا" ہوں گے۔ جب اٰمَنَ، یُؤْمِنُ، اِیْمَانًا آئے تو اس کے معانی کسی اور کو امن دینے کے ہیں۔ اس سے اسم فاعل "مُؤْمِنٌ" بنتا ہے جس کے لفظی معانی "دوسروں کو امن دینے والا" ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنٰی میں ایک نام "اَلْمُؤْمِنٌ" بھی ہے۔ جیسے ﴿اَلْمَلِكُ الْقُدُّوْسُ السَّلَامُ الْمُؤْمِنُ الْمُهَيْمِنُ الْعَزِيْزُ الْجَبَّارُ الْمُتَكَبِّرُ﴾ اللہ تعالیٰ کی شان یہ ہے کہ وہ امن عطا فرماتا ہے۔ اٰمَنَ، یُؤْمِنُ، اِیْمَانًا میں "بِ" یا "ل" کا اضافہ ہو جائے تو اس کے معانی "تصدیق کرنے" کے ہوں گے۔ تصدیق دو طرح سے ہوتی ہے۔ کسی نے کوئی خبر آپ کو آکر سنائی اور آپ نے مان لی تو یہ تصدیق ہے، اور اگر کسی نے دعویٰ کیا کہ میری حیثیت فلاں ہے اور آپ نے مان لیا تو یہ بھی تصدیق ہے۔ ظاہر بات ہے ان تمام الفاظ کا لفظ "امن" سے ایک تعلق برقرار رہا، اس لئے کہ کوئی شخص خبر لے کر آیا اور آپ نے مان لیا، کسی نے کوئی دعویٰ کیا اور آپ نے تسلیم کر لیا تو امن برقرار رہا۔ اگر آپ نے کسی خبر لانے والے کو یہ کہہ دیا کہ تم جھوٹ بول رہے ہو تو تصادم اور conflict شروع ہو جائے گا۔ "ب" اور "ل" کے اضافے کے ساتھ ایمان کے معنی تصدیق کرنے کے ہیں۔ جیسے "ایمان باللہ"، "ایمان بالغیب"، "ایمان بالرسالت" اور "اٰمَنَ لَہٗ"۔

یہ تو ایمان کا لفظی مفہوم ہمارے سامنے آگیا۔ ایمان کے اصطلاحی معانی ہوں گے :

تَصْدِیْقُ بِمَا جَاءَ بِهِ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یعنی ہر اُس چیز کی تصدیق کرنا جو محمد رسول اللہ ﷺ لے کر آئے۔ اس لحاظ سے یہ واضح ہو جائے کہ آنحضور ﷺ یا سابقہ رسول جو کچھ بھی لے کر آئے اس سب کو تسلیم کرنا ایمان میں شامل ہوگا۔ سابقہ رسول دو چیزیں لے کر آئے تھے۔ ایک مابعد الطبیعیاتی حقائق، یعنی علم غیب اور اس کائنات سے متعلق مخفی حقائق اور خبریں، دوسرے کچھ احکام اور اوامر و نواہی۔ احکام پر لفظ ایمان کا اطلاق نہیں ہوتا۔ اس کا اطلاق ان حقیقتوں پر ہوتا ہے جو مابعد الطبیعیات (Metaphysical) اور عالمِ غیب (unseen world) سے متعلق ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن مجید کی سورۃ البقرۃ کا آغاز ہی اس طرح ہوتا ہے کہ ﴿ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ ۝ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ ﴾ یعنی "ہدایت ہے متقین کے لئے (اور متقی اور پرہیزگار) وہ لوگ ہیں جو غیب پر ایمان لاتے ہیں"۔ اس لحاظ سے ایمان کا معاملہ غیب کے ساتھ ہے۔ حضور ﷺ نے مابعد الطبیعیاتی حقائق کے بارے میں جو خبریں دی ہیں جن کو جاننے اور verify کرنے کا ہمارے پاس اور کوئی ذریعہ موجود نہیں، مجرد حضور ﷺ کے بتانے اور دعویٰ کرنے پر ہم نے انہیں قبول و تسلیم کیا ہے، اس کو ہم ایمان کہتے ہیں۔

ایمان کا موضوع

ایمان کا موضوع بالکل وہی ہے جو فلسفے کا ہے۔ اس کی تھوڑی سی ضروری تمہید ملاحظہ فرمالیجئے۔ دنیا میں جو بھی انسان شعور کی آنکھ کھولتا ہے تو وہ دیکھتا ہے کہ یہ ایک عالم اور ایک کائنات ہے اور میں اس کا ایک جزو ہوں۔ اس کے ذہن میں کچھ بنیادی سوالات پیدا ہوتے ہیں یا ہونے چاہئیں۔ یہ مَیں نے اس لئے بتایا کہ اکثر و بیشتر لوگوں کے ذہنوں میں یہ بنیادی سوالات پیدا نہیں ہوتے، کیونکہ اکثر لوگ تقلیدی ذہن کے ہوتے ہیں اور جو کچھ اس معاشرے میں لوگ مان رہے ہوتے ہیں وہ بھی اسے ماننا شروع کر دیتے ہیں۔ اگر کوئی مسلمان معاشرے میں پیدا ہو گیا تو جو کچھ مسلمان مان رہے ہیں وہ بھی ماننا شروع کر دیتا ہے۔ کوئی شخص کسی اور مذہب کے پیروکاروں کے اندر پیدا ہو گیا تو وہ انہی کی تقلید شروع کر دیتا ہے اور زندگی کی دوڑ دھوپ میں لگ جاتا ہے۔ لیکن ہمیشہ تاریخ میں

کچھ نہ کچھ لوگ ایسے ضرور ہوتے ہیں جنھوں نے مجرد اس بنیاد پر کسی بات کو ماننے سے انکار کر دیا کہ چونکہ لوگ مانتے ہیں اس لئے مجھے بھی ماننا چاہئے۔ ان کو یہ فکر ہوتی ہے کہ ہمیں پہلے خود سمجھنا ہے اور خود ہی حقیقت کی تلاش کرنی ہے۔ وہ خود یہ جاننا چاہتے ہیں کہ حقیقت کیا ہے اور ان کے ذہن میں کچھ اس قسم کے بنیادی سوالات پیدا ہوتے ہیں :

۱) پہلا سوال ذہن میں یہ آتا ہے کہ یہ کائنات کیا ہے؟ ویسے تو یہ تاحدِ نگاہ پھیلی ہوئی ہے اور اس کائنات کی حدود آج بھی ہمیں معلوم نہیں۔ ہبل ٹیلی سکوپ بھی یہ تلاش نہ کر سکی کہ یہ کائنات کہاں سے شروع ہوتی ہے اور کہاں ختم ہوتی ہے۔

۲) کیا یہ کائنات ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گی یا اس کی تخلیق given time میں ہوئی ہے؟

۳) اگر اس کائنات کی تخلیق ہوئی ہے تو اس کا خالق کون ہے؟ اس خالق کو ہم جان سکتے ہیں یا نہیں؟ اور اس سے رابطہ ہو سکتا ہے یا نہیں؟ مزید یہ کہ اس کی ذات کیسی ہے' اور اس کی صفات کیا ہیں؟

۴) میں خود کیا ہوں؟ آیا دوسرے حیوانات مثلاً گھوڑا' بیل' کتا' بلّی وغیرہ کی طرح مَیں بھی ایک حیوان ہوں یا کہ میرے اور ان کے درمیان کوئی qualitative فرق ہے؟ ایک فرق تو کمیت (quantitative) کا ہے کہ گھوڑا ذرا refined جانور ہے اور گدھا coarse جانور ہے۔ کیا ہمارے اور گوریلا کے درمیان بھی اتنا ہی فرق ہے جتنا کہ گدھے اور گھوڑے میں ہے؟ کیا کوئی بنیادی فرق ہے یا محض نوعیت کا فرق ہے؟

۵) میری زندگی کیا ہے؟ پیدائش سے لے کر موت تک پچاس' ساٹھ' ستّر سال کا تو مجھے پتہ ہے' سوال یہ ہے کہ آیا اس دنیا میں آنے سے پہلے بھی میرا وجود تھا؟ یا میں اچانک آسمان سے ٹپک پڑا ہوں۔ اور موت کے بارے میں تو ہمیں معلوم ہے کہ وہ آئے گی' لیکن کیا وہ ہمارے وجود کا خاتمہ ہے؟ کیا اس کے بعد ہمارے وجود کا تسلسل نہیں ہے؟ یا اس کے بعد بھی ہماری کوئی حیثیت ہوگی؟

۶) علم کسے کہتے ہیں اور یہ کیسے حاصل ہوتا ہے؟ ہمارے پاس اس کے کیا ذرائع ہیں؟ یہ

تو ہمیں معلوم ہے کہ حواسِ خمسہ ہیں، ہم ان کے ذریعے دیکھتے، سنتے ہیں اور یہ بھی ہمیں معلوم ہے کہ ہمارے دماغ میں کوئی کمپیوٹر لگا ہوا ہے جو ہمارے sense data کو process کرتا ہے اور نتیجے نکالتا ہے۔ کیا یہی ذرائع علم ہیں یا اس سے ماورئ بھی کوئی ذریعہ ہے؟

۷) خیر و شر کیا واقعی حقائق ہیں؟ کیا یہ کوئی permanent physical values ہیں یا محض ہمارے اپنے ذہن کی اختراع ہیں؟ آپ نے انگریزی کا محاورہ سنا ہوگا:

"nothing is good or bad, only thinking makes it so"

یہ ایک نظریہ ہے۔ جبکہ ایک نظریہ یہ ہے کہ شر اور خیر مستقل اقدار ہیں، یہ زمانے اور حالات کے ساتھ بدلتے نہیں ہیں۔ انسان فطرت کی بنیاد پر جانتا ہے کہ یہ خیر ہے اور یہ شر ہے، یہ اچھا ہے اور یہ بُرا ہے۔ اسے معلوم ہے کہ سچ بولنا اچھا ہے اور جھوٹ بولنا بُرا ہے، وعدہ کرکے پورا کرنا اچھا ہے اور وعدہ خلافی کرنا بُرا ہے، بڑوں کی خدمت کرنا اچھا ہے اور ان کے ساتھ بدتمیزی سے پیش آنا بُرا ہے۔ یہ باتیں تو ہر شخص جانتا ہے۔ اس حوالے سے یہ مستقل اقدار تو ہوگئیں، لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ایک شخص کو یہ تو معلوم ہے کہ جھوٹ بولنا غلط ہے، لیکن ساتھ ہی اسے نظر آتا ہے کہ جھوٹ بولنے سے یہ فائدہ ہو رہا ہے۔ اسے معلوم ہے کہ سچ بولنا اچھا ہے لیکن خیال یہ آتا ہے کہ اگر سچ بولتا ہوں تو نقصان ہوتا ہے، خطرہ درپیش ہے۔ اب وہ motivative force کون سی ہوگی جو اسے جھوٹ بولنے سے روکے گی اور سچ بولنے پر مجبور کرے گی۔ یہ سارے فلسفے کے مختلف میدان (fields) ہیں جن سے یہ سوالات متعلق ہیں۔ آپ نے نوٹ کیا ہوگا کہ بعض مسائل وہ ہیں جن کا تعلق Metaphysics سے ہے، بعض مسائل کا تعلق نفسیات (Psychology) سے ہے، بعض کا تعلق علم کی حقیقت (Epistemology) سے اور بعض کا تعلق اخلاقیات (Ethics) سے ہے۔

تاریخ سے ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ ایسے لوگ پیدا ہوتے رہے ہیں کہ جب یہ

سوالات ان کے ذہنوں میں پیدا ہو گئے تو انہیں زندگی کی کسی شے سے کوئی دلچسپی نہیں رہی جب تک کہ انہوں نے ان سوالات کے کوئی نہ کوئی جواب حاصل نہ کر لئے۔ گوتم بدھ کو یاد کیجئے! اس کی تیس برس کی عمر ہے' کپل وستو کا شہزادہ ہے' لیکن جوان بیوی اور شیر خوار بچے کو سوتے ہوئے چھوڑ کر نکل گیا کہ مجھے معلوم کرنا ہے کہ حقیقت کیا ہے' یہ گورکھ دھندہ کیا ہے؟ کوئی اندھا کیوں پیدا ہو گیا؟ کوئی بچہ مر رہا ہے' اس کے والدین کھڑے رو رہے ہیں تو وہ کیوں رو رہے ہیں؟ دنیا میں یہ دکھ کیوں ہے؟ کیا اس سے نجات کا کوئی راستہ ہے؟ چنانچہ پھر ان سوالات کے جوابات کے لئے اُس نے جنگل اور ویرانوں کی خاک چھانی ہے۔ اسی طرح آپ دیکھئے کہ سقراط یونان میں پیدا ہو رہا ہے' اس کے معاشرے میں جو چیزیں مانی جاتی ہیں اس کا ذہن اسے قبول نہیں کر رہا' وہ کچھ اور نتائج تک پہنچتا ہے' لیکن جب انہیں بیان کرتا ہے تو معاشرہ بھی ردِّ عمل (react) کرتا ہے اور عدالت میں پیشی ہوتی ہے تو وہاں اس سے یہ کہا جاتا ہے کہ تم ہمارے نوجوانوں کو خراب کر رہے ہو اور انہیں قومی اور نسلی عقائد سے منحرف کر رہے ہو۔ تم جس چیز کو حقیقت سمجھتے ہو اس کو اپنے تک محدود رکھو۔ اگر تم خاموش رہ سکتے ہو تو زندہ بھی رہ سکتے ہو۔ اگر خاموش نہیں رہ سکتے تو ابھی اور اسی جگہ پر زہر کا پیالہ پیو اور اپنی زندگی ختم کر لو۔ یہ مَیں نے آپ کو دو مثالیں دی ہیں کہ جس شخص کے ذہن میں یہ سوالات پیدا ہو جائیں اور پھر جب تک اسے ان کا تشفی بخش جواب نہ مل جائے اسے زندگی کی کسی شے سے کوئی رغبت نہیں رہتی۔ سقراط کی مثال ہمارے سامنے ہے۔

یہ بات قابل غور ہے کہ دنیا میں اکثر و بیشتر انسان تو تقلید کرتے ہوئے زندگی بسر کرتے ہیں۔ چنانچہ جہاں پیدا ہوئے انہوں نے اسی کے مطابق زندگی گزارنا شروع کر دی۔ لیکن اکثر و بیشتر انسان انہی لوگوں کے پیرو کار ہوتے ہیں جنہوں نے خود غور و فکر کر کے کوئی نتیجہ نکالا ہوتا ہے۔ آج گوتم بدھ کے کتنے ماننے والے ہیں' سقراط کی کیا عظمت ہے! چاہے ان کی زندگی میں انہیں کسی نے نہ مانا ہو۔ اسی طریقے سے ان سوالوں کا صحیح جواب وہ ہے جو انبیاء کرام علیہم السلام نے اس دعوے کے ساتھ دیا کہ ہمارے پاس علم کا خاص ذریعہ ہے جو تمہارے پاس نہیں۔ علم کے اس ذریعے سے ہی ہمیں معلوم ہوا کہ

کائنات کی حقیقت کیا ہے' تمہاری اور تمہاری زندگی کی حقیقت کیا ہے' علم کی حقیقت کیا ہے؟ اخلاقیات کے بنیادی سوالات کا جواب کیا ہے؟

انبیاء کے اس دعوے کو جن لوگوں نے بھی تسلیم کیا انہوں نے ابراہیم علیہ السلام کی طرح صاف کہہ دیا کہ ﴿ یٰاَبَتِ اِنِّیْ قَدْ جَآءَنِیْ مِنَ الْعِلْمِ مَا لَمْ یَاْتِكَ فَاتَّبِعْنِیْۤ اَهْدِكَ صِرَاطًا سَوِیًّا ﴾ "ابا جان! میرے پاس وہ علم آیا ہے جو آپ کے پاس نہیں آیا' بس آپ کو میری پیروی کرنی ہوگی۔ مَیں آپ کو سیدھا راستہ دکھاؤں گا"۔

یہاں دیکھئے کہ الٹی گنگا بہہ رہی ہے۔ بیٹا باپ سے کہہ رہا ہے' حالانکہ باپ کا تجربہ بھی ہے اور اس کے بال بھی سفید ہو چکے ہیں' پھر بھی بیٹا باپ سے یہ کہہ رہا ہے۔ لیکن دلیل یہی ہے کہ آپ کی معلومات تو وہی ہیں جو آپ کو حواسِ خمسہ یا دماغ کے ذریعہ سے حاصل ہوئی ہیں' جبکہ میرے پاس ایک اور ذریعہ علم بھی ہے۔

آخری بات یہ کہ دنیا میں جتنے بھی بڑے بڑے فلسفی گزرے ہیں' جنہوں نے اپنی عقل سے سوچ کر جوابات دیئے ہیں ان میں سے کسی نے یہ دعویٰ نہیں کیا کہ جو کچھ میں کہہ رہا ہوں یہ صد فیصد حق ہے اور اس میں شک کی گنجائش نہیں۔ علامہ اقبال بھی اپنے لیکچرز کے آغاز میں کہتے ہیں کہ مَیں نے جو کچھ سمجھا ہے وہ مَیں نے بیان کر دیا ہے' لیکن مَیں یہ دعویٰ نہیں کرتا کہ بس جو کچھ میں نے کہا وہی حق ہے۔ ہمارا علمی رویّہ قائم رہنا چاہئے' غور و فکر آگے جاری رہنا چاہئے' ہو سکتا ہے کہ جو کچھ مَیں نے کہا اس سے بہتر آراء سامنے آئیں۔ لیکن انبیاء نے جو کچھ کہا وہ اس دعوے کے ساتھ کہا کہ اس میں کسی شک کی کوئی گنجائش نہیں۔ سورۃ البقرۃ کے شروع میں فرمایا: ﴿ الٓمّٓ ۝ ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَیْبَ فِیْهِ ﴾ "یہ وہ کتاب ہے جس میں کسی شک و شبے کی کوئی گنجائش نہیں۔"

سوالات

سوال: ایمان کے ہوتے ہوئے وسوسہ کیوں آتا ہے؟

جواب: اس لئے کہ انسان کے اندر ایک نفس اور حیوانی داعیہ (animal instinct) بھی ہے اور خارج میں شیطان لعین بھی موجود ہے۔ نفس اور

شیطان دونوں کو اس بات کی قدرت حاصل ہے کہ ہمارے اندر وسوسے پیدا کر سکیں۔ اور یہ اصل میں ہمارے ایمان کا امتحان بن جاتا ہے۔ اگر ایمان پختہ ہے تو انسان وسوسے کو رد کر دیتا ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ وسوسہ اگر ذہن میں رہے اور آدمی اسے زبان پر نہ لائے تو اس پر کوئی گرفت نہیں، لیکن اگر کہے گا تو پکڑ ہو جائے گی۔ انسان اپنی ایمانی قوت سے اس وسوسے کو دبا دے تو اس پر کوئی مؤاخذہ نہیں۔

سوال : ایمان اور عقیدے میں کیا فرق ہے؟

جواب : ایمان مابعد الطبیعیاتی حقائق کا نام ہے۔ ظاہر ہے مابعد الطبیعیاتی حقائق ہمارے تخیل سے بھی ماوراء ہیں، لیکن ان کو اپنی زبان میں بیان کرنا پڑتا ہے۔ جب ان کو ایک زبان میں بیان کیا جائے گا اور مرتب کر لیا جائے گا تو اس کا نام عقیدہ بن جائے گا۔ عقیدہ گویا کہ ایمان کی معین الفاظ میں تعبیر اور تعیین کا نام ہے۔

سوال : ایمان میں پختگی کیسے آسکتی ہے؟

جواب : ایمان میں پختگی عمل سے آتی ہے کہ ایمان کے تقاضے جو ہمیں اسلام کی شکل میں دیئے گئے ہیں، ان پر عمل کرتے رہیں گے تو جیسے ایمان سے عمل پیدا ہوتا ہے ایسے ہی عمل سے بھی ایمان پیدا ہو گا۔ ایمان میں پختگی پیدا کرنے کا ایک اور طریقہ یہ ہے کہ جو صاحب ایمان ہوں اور اُن کے دلوں میں یقین بہت گہرا ہو اُن کی صحبت سے اور ان کے قریب ہونے سے آپ کے ایمان میں پختگی آجائے گی۔ جیسے آپ آگ کی بھٹی کے سامنے بیٹھیں گے تو آپ کو حرارت پہنچ جائے گی اسی طرح اگر کسی شخص کے دل میں ایمان کی بھٹی ہے تو اس کی قربت سے آپ کے اندر بھی ایمان پیدا ہو جائے گا۔

سوال : یہ کیسے معلوم ہو گا کہ میرے اندر ایمانِ حقیقی پیدا ہو چکا ہے؟

جواب : ایمانِ حقیقی کی موجودگی میں ایک تو ایمان کے مطابق عمل کرنے میں سہولت ہو جائے گی۔ اسے محسوس ہو گا کہ مجھے عمل کرنے میں کوئی رکاوٹ (resistance) پیش نہیں آرہی، میں اللہ کے احکام پر دلی آمادگی کے ساتھ عمل کر رہا ہوں۔ یہ اس بات کی علامت ہے کہ آپ کے دل میں ایمان موجود ہے: ((اذا ساء تكَ سيئتك وسرّتكَ حسنتك فانت مؤمن)) یعنی جب تمہیں کوئی اچھا اور نیکی کا کام کر کے خوشی ہو اور اگر

بُری حرکت سرزد ہو جائے تو تمہیں اس پر افسوس اور رنج ہو تو جان لو کہ تمہارے اندر ایمان موجود ہے۔

سوال : ایمان کے کیا معنی ہیں؟

جواب : ایمان کے لفظی معانی کسی کو امن دینے کے ہیں۔ اور ایمان جب "ب" یا "ل" کے ساتھ آئے تو اس کے معانی کسی امر اور دعوے کی تصدیق کرنا ہیں۔ اصطلاح میں ایمان رسولوں کے دعوے کو تسلیم کرنا اور ان کی لائی ہوئی تعلیمات کو اختیار کرنا ہے۔

سوال : ایمان اور اسلام میں کیا فرق ہے؟

جواب : ایمان دین اللہ یا دین حق کی نظریاتی، فکری یا فلسفیانہ اساس کا نام ہے۔ اور اس نظریاتی، فکری اور فلسفیانہ بنیاد کا جب ظہور انسان کے عمل میں ہوتا ہے تو اس کا نام اسلام ہے۔ یہ بات بھی نوٹ کیجئے کہ ایمان دل میں ہوتا ہے، اس کو verify کرنا مشکل ہے۔ کوئی دوسرا شخص نہیں جان سکتا کہ کسی کے دل میں ایمان ہے یا نہیں ہے جبکہ عمل کا تعلق ظاہر سے ہے۔ اس کی بنیاد پر فیصلہ ہو سکتا ہے کہ کوئی مسلمان ہے یا نہیں۔ اسی لئے اسلامی معاشرے اور اسلامی ریاست کی بنیاد اسلام پر قائم ہے۔ جو قانونی طور پر مسلمان ہے وہ اسلامی معاشرے کا فرد ہے اور اسلامی ریاست کا شہری ہے۔

حضرات! آخر میں مَیں اللہ سے دعا کرتا ہوں کہ ایمان کی اصل حقیقت سے ہمیں صرف ذہنی اور علمی طور پر ہی روشناس نہ کرائے بلکہ ہمارے دل میں اسے ایک نور کی صورت میں پیدا فرمادے۔ آمین یاربَّ العالمین!

سالانہ خریدار متوجہ ہوں

ماہنامہ "میثاق" کے سالانہ خریداروں سے گزارش ہے کہ ان کے پتوں کی تبدیلی سے متعلق اطلاعات مہینہ کی 20 تاریخ تک پہنچ جانی چاہئیں۔ 20 تاریخ کے بعد موصول ہونے والی اطلاعات پر عمل درآمد اگلے ماہ کے شمارے سے ہی ممکن ہو سکے گا۔ شکریہ

مدیر مکتبہ

توحیدِ عملی

کا فریضۂ اقامتِ دین سے ربط و تعلّق

سورۃ الشوریٰ آیات ۱۳ تا ۲۱ کی روشنی میں

امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد
مرتب : شیخ جمیل الرحمٰن مرحوم

(ساتویں قسط)

مخالفین و معاندین کے لئے انتباہ

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ وَالَّذِيْنَ يُحَآجُّوْنَ فِي اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مَا اسْتُجِيْبَ لَهٗ . . . ﴾

"کچھ لوگ ہیں جو اللہ کے بارے میں ابھی بحث و مباحثہ اور حجت بازی میں پڑے ہوئے ہیں' حالانکہ اللہ کی پکار پر لبیک کہی جا چکی ہے"۔

یہاں "فِي اللّٰهِ" سے مراد "فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ" ہے۔ یعنی ابھی تک جو لوگ اللہ کے دین کے بارے میں جھگڑوں میں پڑے ہوئے ہیں۔

آگے بڑھنے سے قبل آیت کے اس حصّہ کو وضاحت سے سمجھ لیجئے۔ دیکھئے جب کوئی نئی دعوت اٹھتی ہے تو کچھ لوگ اتنے ذہین ہوتے ہیں کہ وہ اس کو اس کی FACE VALUE پر قبول کر لیتے ہیں اور ان میں اتنی جرأت بھی ہوتی ہے کہ ع ہر چہ بادا باد' ما کشتی در آب انداختیم۔ اب جو ہو سو ہو ہم نے اس دعوت کو قبول کر لیا۔ اب تیریں گے تو اس کے ساتھ اور ڈوبیں گے تو اس کے ساتھ۔ لیکن سب لوگوں میں اتنی ہمت نہیں ہوتی۔ کچھ لوگ وہ ہوتے ہیں کہ جن کو حقیقت تو معلوم ہو جاتی ہے کہ بات صحیح ہے' لیکن منجدھار میں چھلانگ لگانے کے لئے جو ہمت درکار ہوتی ہے اس کا اُن میں

فقدان ہوتا ہے۔ اس کی مثال یوں سمجھئے کہ جیسے ایک جنگل ہے' اس میں جانے کا کوئی راستہ ہو نا تو درکنار پگڈنڈی بھی بنی ہوئی نہیں ہے۔ ایسی صورت میں کوئی بڑی ہمت والا ہی ہو گا جو اس میں داخل ہو گا۔ لیکن اگر کچھ لوگوں نے چل کر پگڈنڈی بنا دی ہو تو نسبتاً کم ہمت لوگ بھی اس پر چل پڑنے کا اپنے اندر حوصلہ پیدا کرلیں گے' کیونکہ ان کو نظر آ رہا ہے کہ راستہ بنا ہوا ہے اور کچھ لوگ اس پر چل کر جنگل میں داخل ہو گئے ہیں اور رہ رہے ہیں۔ یہی بات یہاں کہی جا رہی ہے کہ ﴿ وَالَّذِيْنَ يُحَآجُّوْنَ فِي اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مَا اسْتُجِيْبَ لَهٗ ﴾ اللہ کے دین کی دعوت پر لبیک کہے جانے کے بعد بھی بعض لوگ دعوت قبول کرنے والوں سے حجت بازی کر رہے ہیں۔

سورۃ الشوریٰ کے نزول کا زمانہ مکّی دَور کا آخری تیسرا حصّہ یعنی سن آٹھ نبوی ہے۔ ظاہر بات ہے کہ اُس وقت تک بہت سے ایسے لوگ بھی ایمان لا چکے تھے جو قریش میں ایک باحیثیت مقام رکھتے تھے اور ایسے بھی جو دبے ہوئے طبقے سے تعلق رکھتے تھے۔ گویا کہ بہت سے لوگوں نے بیچ منجدھار کود کر دکھا دیا تھا۔ بہت سے لوگوں نے تشدد جھیل کر' مصائب برداشت کر کے اور قربانیاں دے کر اعلیٰ مثالیں قائم کر دی تھیں۔ اس طرح ان لوگوں کے لئے جو کم ہمت تھے' راستہ بن گیا اور اب ان کے لئے اس پر چلنا آسان ہو گیا۔ جو اَب بھی تاخیر و تعویق میں ہوں' لیت و لعل میں ہوں' جو اَب بھی حجت بازی میں پڑے ہوں' معلوم ہوا کہ اب ان کا کوئی عذر اللہ تعالیٰ کی جناب میں لائق پذیرائی نہیں رہا۔ ﴿ حُجَّتُهُمْ دَاحِضَةٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ ﴾ ان کی حجت' ان کی دلیل ان کے رب کے پاس بالکل باطل اور پادر ہوا ہے۔ ﴿ وَعَلَيْهِمْ غَضَبٌ وَّلَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌ ۝ ﴾ "اور ان پر اللہ کا شدید غضب نازل ہو کر رہے گا اور ان کے لئے بہت بڑا عذاب ہے"۔

قرآن حکیم کا یہ اعجاز ہے کہ اس آیت میں ان کم ہمت لوگوں کے لئے بھی انتباہ ہے جو دعوت کو حق سمجھ لینے کے باوجود مشرکین و مخالفین کے تشدّد اور تعدّی کے خوف سے دعوت کو قبول کرنے میں ہچکچا رہے ہیں اور ان کے لئے بھی شدید وعید ہے کہ جن کے دل دعوت کی حقانیت تسلیم کرتے ہیں لیکن وہ اپنے مفادات' اپنے تعصبات اور اپنی عصبیت کے باعث دعوت کو قبول کرنے کے بجائے اس کی راہ میں رکاوٹ بنے ہوئے ہیں اور

اس دعوت کو کچلنے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگا رہے ہیں اور اُن کا ساتھ دے رہے ہیں جو صریح گمراہی میں پڑے ہوئے ہیں۔ گویا وہ سرے سے دعوت کی حقانیت کو تسلیم ہی نہیں کرتے۔ اس آیت میں تینوں قسم کے لوگ مخاطبین ہیں۔

الکتاب و المیزان = قرآن و سُنّت

اگلی آیت میں وہ مضمون آ رہا ہے جو ﴿ وَاُمِرْتُ لِاَعْدِلَ بَیْنَکُمْ ﴾ کی توضیح و تشریح کے ضمن میں سورۃ الحدید کی ایک آیت کے حوالے سے بیان ہو چکا ہے۔ سورۃ الشوریٰ مکّی سورتوں میں اتنی ہی اہمیت کی حامل ہے جتنی مدنی سورتوں میں سورۃ الحدید۔ سورۃ الحدید میں رسولوں کی بعثت' ان کو بیّنات عطا کرنے' ان کے ساتھ کتابیں اور میزان یعنی شریعت نازل فرمانے کی غرض و غایت ان الفاظِ مبارکہ میں بیان فرمائی گئی تھی کہ: ﴿ لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَیِّنٰتِ وَاَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْکِتٰبَ وَالْمِیْزَانَ لِیَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ ۚ ﴾ جبکہ یہاں فرمایا :

﴿ اَللّٰهُ الَّذِیْٓ اَنْزَلَ الْکِتٰبَ بِالْحَقِّ وَالْمِیْزَانَ ۭ ﴾

"اللہ ہی ہے وہ ذات جس نے حق کے ساتھ کتاب اتاری اور میزان بھی اتاری"۔

جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر کتاب تورات نازل ہوئی تو اس کے ساتھ شریعتِ موسوی اُتری' ویسے ہی جناب محمدؐ رسول اللہ ﷺ پر قرآن نازل ہوا تو اس کے ساتھ ہی المیزان یعنی شریعتِ محمدیؐ یا دین الحق نازل ہوا۔ یہی بات اس آیت مبارکہ کی ابتداء میں ایک دوسرے اسلوب سے فرمائی جو سورۃ التوبہ' سورۃ الفتح اور سورۃ الصف میں بایں الفاظ وارد ہوئی : ﴿ هُوَ الَّذِیْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ ﴾ "وہ (اللہ) ہی ہے جس نے اپنے رسول (ﷺ) کو بھیجا الھدیٰ اور دین الحق کے ساتھ"۔ یہاں "و" واو عطف ہے۔ دین الحق الھدیٰ سے مختلف اور علیحدہ چیز ہے' اس معنی میں کہ الھدیٰ یعنی قرآن مجید میں علمی اور اصولی ہدایت ہے جبکہ سُنّتِ رسول علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام اس کی عملی تفسیر اور اس کا عملی مظاہرہ (demonstration) ہے۔ جب قرآن حکیم کے ساتھ سُنّتِ رسولؐ جمع ہو جائے گی تو دین الحق بنے گا اور وہ میزان یعنی شریعت سامنے آئے گی کہ

کس کا کیا حق ہے اور کس کے کیا فرائض ہیں' کیا واجبات ہیں۔ اور طے ہو گا کہ (What is due to him and what is due from him) اس پر لازم کیا ہے اور اس کا حق کیا ہے ـــــ یہ ہے کتاب اور میزان جو اللہ نے نازل فرمائی۔

غور طلب بات

اب غور کیجئے کہ اللہ تعالیٰ نے میزان کس لئے نازل فرمائی! ایسے ہی رکھی رہے یا اس میں ماپا اور تولا جائے! میزان تو اس لئے اتاری گئی کہ نصب ہو۔ دین اس لئے دیا گیا کہ قائم ہو۔ دین اگر قائم نہ ہو تو وہ دین ہے ہی نہیں' پھر تو وہ مذہب بن گیا۔ وہ صرف ایک عقیدہ اور ایک cult بن کر رہ گیا۔ وہ محض چند رسوم (rituals) کا مجموعہ بن گیا۔ دین تو وہ ہے جو ایک نظام کی حیثیت سے بالفعل قائم و نافذ ہو۔ اس کو ایک سادہ سی مثال سے سمجھ لیجئے' انگریز کے دورِ غلامی میں جس نظام کی حکومت تھی وہ "دین انگریز" تھا۔ تاجِ برطانیہ کے نمائندے کی حیثیت سے مطاعِ مطلق برطانوی پارلیمنٹ تھی۔ تمام فوجداری اور دیوانی قوانین اس کے بنائے ہوئے تھے اور ان کے مطابق ہی ملک کا نظام چل رہا تھا۔ البتہ دوسرے مذاہب کے ساتھ مسلمانوں کو بھی یہ آزادی حاصل تھی کہ نجی زندگی میں نمازیں پڑھ لو' روزے رکھ لو' حج کو چلے جاؤ' اپنے طور پر زکوٰۃ ادا کر دو' شادی بیاہ کی رسوم اپنے طور پر بجالاؤ۔ پرائیویٹ اور شخصی معاملات میں انگریز سرکار کو کوئی سروکار نہیں' البتہ ملک کا نظام اور قانون (law of the land) انگریز کا بنایا ہوا رائج و نافذ رہے گا۔ اس صورت حال کے پیش نظر ہی علامہ اقبال مرحوم نے کہا تھا۔

ملّا کو جو ہے ہند میں سجدے کی اجازت
ناداں یہ سمجھتا ہے کہ اسلام ہے آزاد

اب پھر اس آیت پر توجہ مرتکز کیجئے۔ فرمایا :

﴿ اَللّٰهُ الَّذِیْٓ اَنْزَلَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ وَالْمِیْزَانَ ؕ ﴾ "وہ اللہ ہی ہے جس نے حق کے ساتھ اتاری ہے کتاب بھی اور میزان بھی"۔ سورۃ الحدید میں بعثتِ رُسل' انزالِ کتب و میزان کی جو غرض و غایت بیان فرمائی گئی تھی کہ ﴿ لِیَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ ۚ ﴾ "تاکہ لوگ

عدل و قسط پر قائم ہو جائیں"۔ اس کو آیت کے اس حصّے کے ساتھ ذہن و قلب پر ثبت کر لیجئے تو ﴿ اَقِیۡمُوا الدِّیۡنَ ﴾ اور ﴿ وَاُمِرۡتُ لِاَعۡدِلَ بَیۡنَکُمۡ ﴾ کے جملہ مقتضیات و متضمنات واضح ہو کر سامنے آجائیں گے۔

انجام سے متعلق تنبیہہ

اسی آیت کے دوسرے حصّہ میں فرمایا :

﴿ وَمَا یُدۡرِیۡکَ لَعَلَّ السَّاعَۃَ قَرِیۡبٌ ۝ ﴾

"اور (اے نبیؐ) آپ کو کیا معلوم کہ قیامت قریب ہو اور سر پر آئی کھڑی ہو"۔

یہاں انداز مختلف ہے۔ اس میں انسانوں کو ایک فطری اور نفسیاتی کمزوری پر متنبہ کیا گیا ہے۔ وہ یہ کہ حقیقت کو انہوں نے پہچان بھی لیا لیکن دل کے اندر جو چور ہے اور مفادات و لذّاتِ دُنیوی سے جو اُنس ہے اس کی وجہ سے تعویق و تاخیر کا معاملہ ہوتا ہے۔ سوچ کا انداز یہ ہو جاتا ہے کہ بات تو حق ہے' قبول کرنی چاہیئے اور ہم ضرور قبول کریں گے' ذرا فلاں فلاں کاموں سے فارغ ہو جائیں تو پھر ہم بھی میدان میں کود پڑیں گے۔ بس یہ ذمہ داریاں ہیں ان سے نمٹ لیں' ذرا بچیوں کے ہاتھ پیلے کرنے ہیں ان سے عہدہ برآ ہو جائیں تو پھر اقامتِ دین کی جِدّوجُہد میں ہمہ وقت اور ہمہ تن لگ جائیں گے اور اپنی ساری توانائیاں اور اپنے تمام اوقات اللہ کی راہ میں لگا دیں گے۔ اس سے بڑا فریب اور دھوکہ کوئی نہیں۔ اور دھوکہ کس کو دے رہے ہیں؟ حقیقی بات یہ ہے کہ اس سے بڑی خود فریبی اور کوئی ہو ہی نہیں سکتی۔ اس لئے کہ واقعہ یہ ہے کہ ع کارِ دنیا کسے تمام نہ کرد۔ اپنی بچیوں سے فارغ ہوں گے تو آگے نواسیاں اور پوتیاں ہوں گی۔ اپنی ذمہ داریوں سے فراغت کیسے ہوگی۔ نسل تو آگے پھیلے گی' بڑھے گی اور نہ معلوم کیا کیا معاشرتی پیچیدگیوں (problems) سے سابقہ پیش آئے گا۔ اور جب آپ اپنے کاموں سے فارغ ہوں گے . . . . اوّل تو فراغت ملتی نہیں۔ لیکن فرض کیجئے کہ کسی نے سوچ رکھا ہو کہ ریٹائر ہو جاؤں پھر دین کے لئے کام کروں گا تو حکومت بھی اُس وقت ریٹائر کرتی ہے جب صلاحیت و اہلیت برائے نام رہ جاتی ہے۔ ایسی حالت و کیفیت میں آپ دین کے

لئے کریں گے کیا؟ اس لئے کہ حکومت نے ریٹائرمنٹ کی مدت خوب سوچ سمجھ کر رکھی ہے۔ توانائیاں تو خدمت سرکار میں ختم ہوئیں' اب تو آپ کی حیثیت Spent up Force کی ہے۔ یہ ہیں وہ دھوکے اور فریب جو انسان کا نفس خود اسے دیتا ہے۔ سورۃ الحدید میں یہ مضمون اہل ایمان کے لئے مختص ہو کر آیا ہے۔ وہاں فرمایا : ﴿ اَلَمْ یَاْنِ لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ تَخْشَعَ قُلُوْبُهُمْ لِذِكْرِ اللّٰهِ وَمَا نَزَلَ مِنَ الْحَقِّ ﴾ "کیا وقت آ نہیں گیا ہے اہل ایمان کے لئے کہ جھک جائیں ان کے دل اللہ کی یاد میں اور اس حق کے سامنے جو نازل ہو گیا ہے۔" یہ تاخیر اور تعویق' اور یہ بات کہ یہ کرلوں وہ کرلوں پھر دین کے کام میں لگ جاؤں گا ـــــ خود فریبی کے اس چکر سے کب نکلو گے؟ وہی بات نبی اکرم ﷺ سے مخاطب ہو کر بطور واقعہ اور حقیقت فرمائی جا رہی ہے : ﴿ وَمَا یُدْرِیْكَ لَعَلَّ السَّاعَةَ قَرِیْبٌ ۝ ﴾ "اور (اے نبیؐ) آپ کو کیا خبر کہ قیامت (فیصلہ کی گھڑی) قریب ہی آ لگی ہو۔"

انتہائی قابلِ توجّہ بات

اچھی طرح ذہن میں رکھئے کہ ایک قیامت تو آخری قیامت ہے' اور ایک میری اور آپ کی انفرادی (indivudual) قیامت ہے۔ یعنی "میری اور آپ کی موت"۔ وہ تو ہم سب کے سروں پر منڈلا رہی ہے۔ ہم میں سے کون جانتا ہے کہ وہ کب آئے گی! جگر مراد آبادی مرحوم کا بڑا پیارا شعر ہے ؎

اربابِ ستم کی خدمت میں اتنی ہی گزارش ہے میری
دنیا سے قیامت دُور سہی دنیا کی قیامت دُور نہیں!

موت کی صورت میں ایک قیامت انسان پر اس دنیا میں بھی آتی ہے جسے ہم قیامت صغریٰ کہتے ہیں۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا : ((مَنْ مَّاتَ فَقَدْ قَامَتْ قِیَامَتُهٗ)) "جو مر گیا اس کی قیامت تو قائم ہو گئی"۔ مہلتِ عمر اور مہلتِ عمل ختم ہوئی ـــــ کسے یقین ہے اور کون کہہ سکتا ہے کہ کل صبح طلوع ہونے والا سورج میں لازماً دیکھوں گا۔ اگر دل میں یہ یقین ہو تو بہت بڑا دھوکہ ہے ـــــ کس برتے پر' کس امید میں تم یہ چیزیں مؤخر کر رہے

ہو؟ اللہ کی طرف سے عائد کردہ فرض ادا کرنے کی فکر کرو۔ اس کے لئے جدّوجُہد کرو۔ اَنْ اَقِیْمُوا الدِّیْنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِیْهِ اس کے لئے کمربستہ ہو جاؤ' سربکف ہو کر میدان میں نکلو' باطل سے پنجہ آزمائی کے لئے تیار ہو کر آؤ۔ ﴿اُمِرْتُ لِاَعْدِلَ بَیْنَکُمْ﴾ کا تقاضا خاتم النبیین والمرسلین کے اُمّتی کی حیثیت سے پورا کرنے کے لئے اٹھ کھڑے ہو۔ اس کے لئے نظم پیدا کرو۔ اللہ تعالیٰ نے جو کتاب یعنی قرآن مجید اور میزان یعنی شریعتِ محمدی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام حق کے ساتھ نازل کی ہے اس پر مبنی نظامِ عدل وقسط قائم کرنے کی جدّوجہد کرو' ورنہ تم کو کیا پتہ کہ موت تمہارے سرہانے کھڑی ہو' تم اسی تعویق و تاخیر میں رہو اور مہلتِ عمر تمام ہو جائے ـــــ یہ جملہ مفاہیم اس آیت مبارکہ میں بیان ہوئے: ﴿اَللّٰهُ الَّذِیْٓ اَنْزَلَ الْکِتٰبَ بِالْحَقِّ وَالْمِیْزَانَ ؕ وَمَا یُدْرِیْكَ لَعَلَّ السَّاعَةَ قَرِیْبٌ ۝﴾

آگے فرمایا:

﴿یَسْتَعْجِلُ بِهَا الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِهَا ۚ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مُشْفِقُوْنَ مِنْهَا وَیَعْلَمُوْنَ اَنَّهَا الْحَقُّ ؕ اَلَآ اِنَّ الَّذِیْنَ یُمَارُوْنَ فِی السَّاعَةِ لَفِیْ ضَلٰلٍۢ بَعِیْدٍ ۝﴾

"اس قیامت کے دن کے لئے جلدی وہ لوگ مچاتے ہیں جو اس پر ایمان نہیں رکھتے' مگر جو لوگ اس پر ایمان رکھتے ہیں وہ اس سے ڈرتے رہتے ہیں اور وہ جانتے ہیں کہ یقیناً اس کا واقع ہونا حق ہے۔ آگاہ رہو' خوب اچھی طرح سن رکھو! جو لوگ اس گھڑی کے آنے کے بارے میں شک میں ڈالنے والی بحثیں کرتے ہیں وہ گمراہی میں بہت دُور نکل گئے ہیں"۔

اس آیت میں نہایت جامعیت' بلاغت اور پیارے انداز میں قیامت کے بارے میں منکرین اور مؤمنین کے طرزِ فکر و عمل پر تبصرہ فرمایا گیا ہے۔

منکرین کی عجلتِ عذاب

کفار اور مشرکین کج حجتی اور ضد برائے ضد کے طور پر اس طرح کی باتیں کیا کرتے تھے کہ اے محمد (ﷺ) لے آؤ وہ قیامت یا وہ عذاب جس کا تم ہمیں ڈراوا دیتے چلے آ رہے ہو۔ نقلِ کفر کفر نہ باشد۔ وہ کہا کرتے تھے کہ تمہیں یہ رٹ لگاتے ہوئے دس سال ہو گئے

آخر وہ گھڑی کب آئے گی؟ یہ سنتے سنتے ہمارے کان پک گئے ہیں۔ لے آؤ وہ عذاب جس کی دھمکیاں تم ہمیں دیتے چلے آ رہے ہو۔ یہاں تک کہ نضر بن حارث نامی ایک مشرک نے کھڑے ہو کر کہا تھا جس کا قرآن مجید میں سورۃ الانفال میں ذکر ہے :

﴿ وَاِذْ قَالُوا اللّٰهُمَّ اِنْ كَانَ هٰذَا هُوَ الْحَقَّ مِنْ عِنْدِكَ فَاَمْطِرْ عَلَيْنَا حِجَارَةً مِّنَ السَّمَاءِ اَوِ ائْتِنَا بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ○ ﴾ (آیت ۳۲)

"اور یاد کرو وہ بات جو ان کفار نے کہی تھی کہ پروردگار! (محمد ﷺ جو پیش کر رہے ہیں) یہ اگر تیری طرف سے واقعی حق ہے اور سچی خبر ہے تو تُو ہم پر آسمان سے پتھر برسا دے یا ہم پر کوئی دردناک عذاب لے آ۔"

یہ حال تھا ان کی ہٹ دھرمیوں اور ڈھٹائیوں کا۔ ایسی باتوں سے وہ اپنے عوام کو متأثر کرنا چاہتے تھے جن میں دعوتِ محمدی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام نفوذ کر رہی تھی۔ گویا ع نظامِ کہنہ کے پاسبانو! یہ معرضِ انقلاب میں ہے! ـــــ مشرکین خوب اچھی طرح جانتے تھے کہ ہمارے مفادات جو اِس مشرکانہ نظام سے وابستہ ہیں' سخت خطرے میں آئے ہوئے ہیں۔ لہٰذا وہ اس قسم کی باتوں کے ذریعے اپنے عوام پر اپنے خلوص کا اثر قائم کرتے تھے کہ ہمیں اس دعوتِ توحید کے غلط ہونے پر اتنا اعتماد ہے کہ ہم تو یہاں تک کہہ رہے ہیں کہ اگر یہ دعوت جو محمد (ﷺ) پیش کر رہے ہیں سچ ہے' حق ہے تو ہم پر عذاب آ جائے ـــــ یہ تھا ان کا انداز اپنے عوام کو دعوت سے روکنے کے لئے۔ قرآن اس پر تبصرہ کرتا ہے کہ وہ تو قیامت اور یومِ حساب پر یقین ہی نہیں رکھتے تھے اسی لئے عذاب اور قیامت کی جلدی مچا رہے تھے ـــــ جس کے دل میں یقین ہو گا وہ ہرگز یہ بات زبان پر نہیں لا سکتا۔ یہی بات فرمائی ان الفاظِ مبارکہ میں: ﴿ يَسْتَعْجِلُ بِهَا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِهَا ﴾ "اس کے لئے وہی لوگ جلدی مچاتے ہیں جو اِس پر ایمان نہیں رکھتے"۔

اہلِ ایمان اور خوفِ قیامت

اس کے برعکس اہلِ ایمان کا یہ حال ہے کہ وہ قیامت کے تصوّر سے لرزاں و ترساں رہتے ہیں : ﴿ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مُشْفِقُوْنَ مِنْهَا ﴾ اہلِ ایمان کی اسی صفت کو سورۃ الانبیاء میں بایں الفاظ بیان فرمایا : ﴿ اَلَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَيْبِ وَهُمْ مِّنَ السَّاعَةِ

مُشْفِقُوْنَ ۝ ﴾ (آیت ۴۹) "وہ لوگ اپنے رب سے ڈرتے رہتے ہیں اور وہ قیامت سے لرزاں و ترساں رہتے ہیں"۔ اور ان کے قیامت کے خوف اور خشیتِ الٰہی کا نقشہ سورۃ النور کی آیت ۳۷ کے آخر میں یوں کھینچا گیا: ﴿ يَخَافُوْنَ يَوْمًا تَتَقَلَّبُ فِيْهِ الْقُلُوْبُ وَالْاَبْصَارُ ۝ ﴾ "اہل ایمان اس دن کے خوف سے کانپتے رہتے ہیں کہ جس دن دل الٹ جائیں گے اور نگاہیں پتھرا جائیں گی" ـــــ قیامت کی ہولناکیوں اور محاسبۂ اُخروی سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اِس طرح ڈرتے رہتے تھے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا یہ عالم تھا کہ آپؓ کہا کرتے تھے: "کاش میں ایک سوکھا تنکا ہوتا جو جلادیا جاتا ہے، ختم ہو جاتا ہے، اس سے محاسبہ نہیں ہے۔ کاش میں درختوں پر چہچہاتی ہوئی ایک چڑیا ہوتا جو آج ہے کل نہیں ہوگی، لیکن اس سے محاسبہ کوئی نہیں ہے"۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اپنے انتقال کے وقت کہہ رہے ہیں: "کاش میں برابر سرابر پر چھوٹ جاؤں"۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے وقت آخر اپنے والد کا سر اپنی ران پر رکھا تو حضرت عمرؓ نے کہا کہ میرا سر نیچے ڈال دو۔ انہوں نے پوچھا: آپ اتنے پریشان کیوں ہیں؟ یہ بے چینی کیوں ہے؟ آپ تو عشرۂ مبشرہ میں سے ہیں، آپ کو تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جنت کی بشارت دی ہے ـــــ تو جواب میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: "خدا کی قسم! اگر میں برابر سرابر بھی چھوٹ گیا تو بہت بڑی کامیابی تصور کروں گا۔" حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ جب کسی قبر پر کھڑے ہوتے تو اِس قدر روتے کہ داڑھی اشکوں سے تر ہو جاتی۔ لوگوں نے دریافت کیا کہ آپ دوزخ کے ذکر پر اتنے اشکبار نہیں ہوتے جتنے قبر پر ہوتے ہیں۔ آپ نے جواب میں کہا کہ "مَیں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ "قبر آخرت کی منزلوں میں پہلی منزل ہے، اگر کوئی اس سے نجات پا گیا تو اس کے بعد آسانی ہے اور اگر اس سے ہی نجات نہ پائی تو اس کے بعد اس سے بھی زیادہ سختی ہے۔" حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اکثر اشکبار کہا کرتے تھے کہ "اگر میں دوزخ اور جنت کے درمیان ہوں اور مجھے معلوم نہ ہو کہ میرے ساتھ کیا معاملہ ہوگا، میرے لئے ان میں سے کس کا حکم دیا جائے گا تو میں اس کا حال معلوم کرنے سے قبل راکھ ہو جانے کو پسند کروں گا کہ مبادا میرے لئے دوزخ کا فیصلہ ہو جائے۔"

یہ ہے ان لوگوں کا حال جو اصل عارف ہیں، جو پہچاننے والے ہیں، جو حقیقت کا علم

رکھنے والے ہیں۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ "جو کچھ میں جانتا ہوں اے مسلمانو! اگر تم وہ جانتے تو تمہارے ہونٹوں پر کبھی مسکراہٹ تک نہ آتی"۔ او کما قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ حقائق بڑے تلخ ہیں۔ جو اِن سے غافل ہیں وہی ہیں جو اِس دنیا میں قہقہے بھی لگا رہے ہیں اور محاسبۂ اُخروی سے بے نیاز ہو کر بے فکری سے زندگی بسر کر رہے ہیں' دندناتے پھر رہے ہیں۔ انہیں پتہ نہیں ہے کہ موت کے بعد کیا بیتنے والی ہے۔ موت کے اس پردے کے پیچھے کون سے ابدی و لازوال خسارے سے واسطہ پڑنے والا ہے۔ اس کے برعکس اہل ایمان کے متعلق فرمایا :

﴿ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مُشْفِقُوْنَ مِنْهَا وَيَعْلَمُوْنَ اَنَّهَا الْحَقُّ ۭ اَلَآ اِنَّ الَّذِيْنَ يُمَارُوْنَ فِي السَّاعَةِ لَفِيْ ضَلٰلٍۢ بَعِيْدٍ ۝ ﴾

"اہلِ ایمان تو قیامت کی گھڑی کے یقین سے لرزاں و ترساں رہتے ہیں۔ اور انہیں خوب معلوم ہے کہ وہ گھڑی آ کر رہے گی' یہ یقینی' حتمی اور قطعی بات ہے ـــــ آگاہ ہو جاؤ' خبردار رہو' اچھی طرح سن رکھو! جو لوگ اس قیامت اور ساعت کے بارے میں جھگڑوں میں پڑے ہوئے ہیں وہ بہت دُور کی گمراہی میں مبتلا ہو چکے ہیں"۔

قبولِ حق میں ایک اہم رکاوٹ اور اس کا حل

توحید عملی کی معراج فریضہ اقامتِ دین کی ادائیگی کے لئے جدّوجہد' محنت و کوشش اور جہاد و کشمکش ہے۔ اسی کے لئے تمام رسولوں کی بعثت ہوئی' کتابیں اور شریعتیں نازل ہوئیں۔ اور اس موضوع پر سورۂ شوریٰ کو ذروۂ سنام (چوٹی) کا مقام حاصل ہے۔ اس راہ کے چند موانعات کا ذکر بھی ہم پڑھ چکے ہیں اور ان کی وجوہ بھی ہمارے سامنے آ چکی ہیں۔ مشرکوں کو یہ دعوت کیوں ناگوار ہے' ﴿ كَبُرَ عَلَى الْمُشْرِكِيْنَ ﴾ کے ضمن میں اس بات کو ہم نے سمجھ لیا ہے۔ اہلِ کتاب کی مخالفت و مخاصمت ﴿ بَغْيًۢا بَيْنَهُمْ ﴾ کی تشریح و توضیح کے ضمن میں بیان ہو چکی ہے۔ حق کو اچھی طرح جان اور پہچان لینے کے باوجود تاخیر و تعویق اور لیت و لعل کے رویئے کے چند اسباب بھی ہمارے سامنے آ چکے ہیں۔

اب اگلی آیت میں ایک رکاوٹ کا براہِ راست تو ذکر نہیں ہے لیکن اس کے بین

السطور وہ رکاوٹ منہ سے بول رہی ہے اور اس کا حل مثبت اسلوب میں سامنے لایا جا رہا ہے۔ فرمایا :

﴿ اَللّٰهُ لَطِيْفٌ بِعِبَادِهٖ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَاءُ ۚ وَهُوَ الْقَوِيُّ الْعَزِيْزُ ۝ ﴾

"اللہ اپنے بندوں پر نہایت مہربان ہے۔ جسے وہ چاہتا ہے سب کچھ دیتا ہے اور وہ بڑی قوت والا اور زبردست و غالب ہے"۔

دعوتِ توحید کو قبول کرنے اور اس کے لئے مجاہدہ کرنے میں ایک بڑی رکاوٹ معاش کا مسئلہ ہوتا ہے۔ تاویلِ خاص کے طور پر نبی اکرم ﷺ کی دعوتِ توحید پر جن سعید روحوں نے لبیک کہا تھا ان پر جہاں مصائب و مظالم کے پہاڑ توڑے جا رہے تھے وہاں ان کا معاشی مقاطعہ بھی کیا جا رہا تھا۔ لہٰذا اکثر لوگ آپ ﷺ کی دعوت کو حق سمجھتے ہوئے بھی اس کو قبول کرنے سے گریزاں تھے۔ اس لئے کہ اگر معاشی مقاطعہ ہو گیا تو کہاں سے کھائیں گے اور اپنے بال بچوں کو کیا کھلائیں گے۔ اس ماحول میں روکھی سوکھی روٹی کے بھی لالے پڑنے کا اندیشہ لاحق رہتا تھا۔

تاویلِ عام کے لحاظ سے دیکھئے تو یہ بات سامنے آئے گی کہ ہمیں خوب اچھی طرح معلوم ہو گیا کہ اقامتِ دین کی جدّوجُہد فرض ہے : ﴿ اَنْ اَقِيْمُوا الدِّيْنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِيْهِ ﴾ لیکن یہ قدم کیسے بڑھائیں! اندیشہ یہ لاحق ہے کہ کھائیں گے کیا؟ پہنیں گے کیا؟ معاش کا بندوبست کیسے ہو گا؟ اس طرف بڑھتا ہوں تو میرا کاروبار بیٹھتا ہے۔ سودی لین دین چھوڑ دوں گا تو اس کا مطلب ہے کہ کاروبار کی بساط لپیٹ دوں۔ اگر رشوت لینا چھوڑتا ہوں تو اپنا معیارِ زندگی کیسے قائم رکھ سکوں گا' جس کا خوگر ہو چکا ہوں۔ میرے بیوی بچے تو پراٹھوں کے عادی ہو چکے ہیں' اب ان کو سوکھی روٹی کیسے کھلاؤں گا! ان کو جو اعلیٰ تعلیم دلانے کے منصوبے ہیں ان پر عمل کیسے ہو گا۔ یہ بڑا مشکل کام ہے۔ یہ ہے وہ سب سے بڑی رکاوٹ اور سب سے بڑا مخمصہ جس سے ایسا شخص دوچار ہوتا ہے اور وہ حق واضح ہونے کے باوجود اس کی طرف پیش قدمی سے ہچکچاتا ہے۔ اسی طرف حضرت مسیح علیہ السلام کے مواعظ میں مختلف اسالیب سے توجّہ دلائی گئی ہے۔ ایک وعظ میں آنحضرت علیہ السلام کے الفاظ آئے ہیں :

"کیوں فکر کرتے ہو کہ کیا کھاؤ گے اور کیا پیو گے؟ تم جنگل کی چڑیوں کو نہیں دیکھتے کہ وہ نہ ہل چلاتی ہیں' نہ بوتی ہیں' نہ کاٹتی ہیں' نہ کھتوں میں بھر کر رکھتی ہیں' لیکن پھر بھی وہ صبح کو خالی پیٹ اپنے گھونسلوں سے نکلتی ہیں اور شام کو آسودہ ہو کر لوٹ آتی ہیں۔ اے بے یقینو! جو آسمانی باپ ان کو کھلاتا پلاتا ہے کیا وہ تمہیں نہیں کھلائے پلائے گا؟ تم کیوں اس فکر میں مبتلا ہو کہ کیا پہنو گے؟ جنگل کی سوسن کو نہیں دیکھتے! وہ نہ بوتی ہے' نہ کاتتی ہے' نہ بنتی ہے' پھر بھی میں تم سے کہتا ہوں کہ جتنا شاندار لباس وہ پہنتی ہے سلیمان بھی اپنی ساری شان و شوکت کے باوجود ایسا ملبّس نہ تھا ـــــ جو آسمانی باپ جنگل کی گھانس کو اتنا خوشنما لباس پہناتا ہے کیا وہ تمہیں نہ پہنائے گا۔"

یہ ہے توکّل علی اللہ کا ایک انداز جو اَب بھی محرّف اناجیل میں موجود ہے۔ اس لئے کہ نور تو ایک ہی ہے' مشکوٰۃ تو ایک ہی ہے' طاق تو ایک ہی ہے جہاں یہ دیئے اور چراغ روشن ہیں۔ بعد میں تحریفات ہو گئیں یہ بات دوسری ہے۔ ورنہ تورات کا سرچشمہ کون سا ہے! تورات بھی اللہ ہی کی کتاب ہے۔ انجیل کا منبع کیا ہے! وہی اللہ تعالیٰ کی ذاتِ اَقدس ہے۔ اللہ تبارک و سبحانہ ہی کے طاق کا انتہائی روشن چراغ۔ یہ قرآن مجید فرقان حمید ہے جس کو یہ خصوصی تحفظ حاصل ہے کہ اس میں لفظی تحریف نہیں ہو سکتی : ﴿ اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَ اِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ۝ ﴾ رزّاقِ حقیقی اللہ ہی ہے۔ یہی بات یہاں فرمائی : ﴿ اَللّٰهُ لَطِيْفٌۢ بِعِبَادِهٖ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَ هُوَ الْقَوِيُّ الْعَزِيْزُ ۝ ﴾ اللہ تعالیٰ نے رزق اپنے ذمہ لیا ہوا ہے۔ جیسے سورۂ ہود میں فرمایا : ﴿ وَ مَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْاَرْضِ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا وَ يَعْلَمُ مُسْتَقَرَّهَا وَ مُسْتَوْدَعَهَا ۚ ﴾ "زمین میں چلنے والا کوئی جاندار ایسا نہیں ہے جس کا رزق اللہ کے ذمے نہ ہو اور جس کے متعلق وہ جانتا نہ ہو کہ وہ کہاں رہتا ہے اور کہاں وہ سونپا جاتا ہے"۔ تمام مخلوق کا رزق اللہ نے اپنے ذمے لے رکھا ہے' لیکن تمہیں اعتماد نہیں ہے' تمہیں یقین نہیں ہے' تم اللہ پر توکّل نہیں کرتے' تمہیں اس پر بھروسہ نہیں ہے' تمہیں اپنے زورِ بازو پر بھروسہ ہے' تمہیں اپنے حساب کتاب پر زیادہ اعتماد ہے۔ اگر تمہاری تھیلیاں بھری ہوئی ہیں تو تمہارے دل کو سکون ہے' تمہاری تجوریوں میں اگر مال ہے تو تمہیں اطمینان ہے' لیکن یہ کہ اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں جو کچھ ہے اس پر

تمہارا یقین نہیں ہے ـــــ نبی اکرم ﷺ نے زہد کی تعریف میں فرمایا ہے کہ :

((اَلزَّهَادَةُ فِي الدُّنْيَا لَيْسَتْ بِتَحْرِيْمِ الْحَلَالِ وَلَا اِضَاعَةِ الْمَالِ ' وَلٰكِنَّ الزَّهَادَةَ فِي الدُّنْيَا اَنْ لَا تَكُوْنَ بِمَا فِيْ يَدَيْكَ اَوْثَقَ مِمَّا فِيْ يَدِ اللّٰهِ)) (رواه الترمذی' عن ابی ذر رضی اللہ عنہ)

"دنیا میں حقیقی زہد یہ نہیں ہے کہ حلال کو اپنے اوپر حرام ٹھہرالو اور مال ضائع کرو' بلکہ حقیقی زہد تو یہ ہے کہ جو کچھ اللہ کے ہاتھ میں ہے اس پر تمہارا یقین و ایمان اور اعتماد زیادہ قائم ہو جائے بہ نسبت اس کے جو تمہارے ہاتھ میں ہے"۔

لیکن اس کے برعکس ہمارا اعتماد اور بھروسہ تو اس پر ہے جو ہمارے ہاتھ میں ہے۔

یہاں فرمایا : ﴿ اَللّٰهُ لَطِيْفٌ بِعِبَادِهٖ ﴾ "اللہ اپنے بندوں پر بڑا مہربان ہے" ـــــ ہم لطف و کرم کے الفاظ بولتے ہیں جس کے معنی مہربانی اور نرمی کے ہیں۔ تو اس لطف سے ہی لطیف ہے' یعنی مہربان۔ لطیف کے ایک معنی باریک بین کے بھی ہیں۔ اس معنی میں قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کی صفات کا جوڑا آتا ہے: اللطیف الخبیر' نہایت باریک بین اور باخبر' بڑی باریک شے کو بھی جاننے والا۔ یہاں دونوں معانی ہیں۔ ایک یہ کہ اللہ اپنے بندوں پر مہربان ہے۔ دوسرے یہ کہ بندوں کی جو ضروریات ہیں اللہ تعالیٰ ان کی باریک ترین تفاصیل (minute details) کو بھی جانتا ہے۔ تمہیں پتا نہیں کہ تمہیں کس چیز کی ضرورت پڑے گی' اللہ کو معلوم ہے۔ کون بچہ جانتا ہے کہ مجھے ماں کے پیٹ سے برآمد ہوتے ہی غذا کہاں سے ملے گی؟ لیکن اللہ تعالیٰ نے اس کی غذا کا اہتمام اس کی پیدائش سے پہلے کیا ہوا ہوتا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ نے تمہاری تمام ضروریات کا انتظام پہلے سے کیا ہوا ہے' لیکن تمہیں اللہ پر توکل نہیں ہے۔ جیسے حضرت مسیح علیہ السلام کے وعظ میں الفاظ آئے ہیں: "لیکن تم یقین نہیں کرتے' تم کو توکل نہیں ہے' تم انہی اندیشوں میں رہتے ہو کہ کیا کھائیں گے اور کیا پہنیں گے!" ان ہی اندیشوں کو دور کیا جا رہا ہے : ﴿ اَللّٰهُ لَطِيْفٌ بِعِبَادِهٖ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَآءُ ﴾۔

سورۃ الطلاق میں یہی بات بڑے پیارے اور اطمینان بخش الفاظ میں فرمائی گئی ہے :

﴿ وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا ۝ وَّيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ ؕ وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بَالِغُ اَمْرِهٖ ؕ ﴾

"اور جو کوئی اللہ کا تقویٰ اختیار کرلے گا تو اللہ اس کے لئے مشکلات سے نکلنے کا راستہ پیدا کردے گا اور اس کی ضروریات وہاں سے پوری کرے گا جہاں سے اسے گمان تک نہ ہو۔ اور جو اللہ پر توکل کرے تو اس کے لئے اللہ کافی ہے۔ بلاشبہ اللہ اپنا کام پورا کرکے رہتا ہے۔"

لہٰذا اللہ تبارک وتعالیٰ کی ذات پر توکّل تو کرو' اس کے راستہ پر آؤ تو سہی ـــــ وہ تھوڑا سا امتحان بھی لے گا کہ واقعی توکّل ہے یا جھوٹ موٹ کا توکّل کرکے آیا ہے۔ واقعی ہم پر اعتماد ہے یا صرف دعویٰ ہی دعویٰ ہے۔ وہ تھوڑا سا امتحان لے کر اور ٹھونک بجا کر ضرور دیکھتا ہے۔ پھر جو اپنے آپ کو بالکلیہ اس کے حوالے کردے تو وہ اس کی دستگیری فرماتا ہے ـــــ غور کیجئے کسی شریف النفس اور بامروت انسان کے حوالے اگر آپ اپنے آپ کو کر دیں تو وہ کبھی آپ کو بے سہارا نہیں چھوڑے گا' تو کیا اللہ آپ کو بے یار و مددگار چھوڑ دے گا؟ جس کی شان اسی سورۃ الشوریٰ کی آیت ۲۳ کے آخر میں یہ بیان ہوئی ہے : ﴿ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ شَكُوْرٌ ۝ ﴾ "بلاشبہ اللہ بڑا درگزر کرنے والا' قدردان ہے۔" سورۃ التغابن کی آیت ۱۷ کے آخر میں فرمایا: ﴿ وَاللّٰهُ شَكُوْرٌ حَلِيْمٌ ۝ ﴾ "اور اللہ بڑا قدردان' بڑا بردبار ہے"۔ اور سورۃ الحدید میں فرمایا : ﴿ هُوَ مَعَكُمْ اَيْنَمَا كُنْتُمْ ﴾ "تم جہاں کہیں بھی ہوگے وہ تمہارے ساتھ ہے"۔

وہ تم سے زیادہ تمہاری ضروریات کو جاننے والا ہے۔ وہ تم سے زیادہ تمہاری مصلحتوں کو جاننے والا ہے۔ تمہارا حال تو یہ ہے کہ تم کبھی کبھی اپنے لئے خیر مانگتے مانگتے شر مانگ بیٹھتے ہو : ﴿ وَيَدْعُ الْاِنْسَانُ بِالشَّرِّ دُعَآءَهٗ بِالْخَيْرِ ؕ ﴾ انسان بعض اوقات اپنے خیال میں خیر مانگ رہا ہوتا ہے جبکہ حقیقت میں وہ اپنے لئے شر مانگ رہا ہوتا ہے' اس لئے کہ اُسے معلوم نہیں ہے کہ جو چیز مانگ رہا ہے وہ میرے حق میں خیر نہیں ہے' شر ہے۔ تم سمجھتے ہو کہ وہ مچھلی ہے جو تم مانگ رہے ہو حالانکہ وہ سانپ ہے۔ وہ تمہیں مچھلی نظر آتی ہے حقیقت میں وہ سانپ ہے۔ وہ تمہارے ہاتھ نہ لگی تو تم دل گرفتہ ہوگئے کہ اتنی دیر بعد

ایک مچھلی نظر آئی تھی وہ بھی نکل گئی' مجھ پر یہ کتنا ظلم ہو گیا۔ تمہیں کیا معلوم کہ اس کو پکڑ لیتے تو ہلاکت سے دوچار ہوتے۔ یہی بات تو سورۂ کہف میں حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت خضر علیہ السلام کے واقعہ میں بیان ہوئی ہے۔ حضرت خضر علیہ السلام نے جب مسکینوں کی کشتی میں عیب پیدا کر دیا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جلال آیا تھا اور انہوں نے اعتراض کیا تھا: ﴿ اَخَرَقْتَهَا لِتُغْرِقَ اَهْلَهَا ﴾ "کیا آپ اس میں شگاف ڈال کر سب کشتی والوں کو ڈبونا چاہتے ہیں؟" اس کا ذکر قرآن میں ہے۔ لیکن سوچئے کہ اس کشتی کے مالکوں نے یہی سوچا ہو گا کہ ہم غریبوں کے پاس روزی کمانے کا یہی ایک ذریعہ تھا' اس میں بھی خرابی پیدا ہو گئی۔ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کو تشویش ہوئی تو کشتی کے مالکوں کو کیوں نہ ہوئی ہو گی۔ لیکن حضرت خضر علیہ السلام نے اللہ کے حکم سے اس کا تختہ اس لئے اکھیڑا تھا کہ اگر یہ عیب پیدا نہ ہوتا تو بادشاہ نے کشتی ضبط کر لینی تھی۔ وہاں پوری کشتی جا رہی تھی' یہاں تو صرف ایک تختہ اکھڑا ہے جس کی واپس جا کر مرمت ہو جائے گی۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو پوری کشتی گئی تھی' لیکن یہ حقائق کسی کو معلوم نہیں تھے۔ اللہ تعالیٰ نے وحی کے ذریعے حضرت خضر علیہ السلام کو اس پر مطلع کیا تھا۔ یہی ہے اصل میں ظاہر و باطن کا فرق۔ فرمایا : ﴿ اَللّٰهُ لَطِيْفٌۢ بِعِبَادِهٖ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَآءُ ۭ وَهُوَ الْقَوِيُّ الْعَزِيْزُ ۝ ﴾ وہ قوی ہے' قدرت والا ہے' توانا ہے۔ وہ زبردست اور غالب ہے۔ وہ جو چاہے کر گزرے' اس کو روکنے والا کوئی نہیں۔ اس کے خزانوں میں کمی نہیں ہے' وہ جس کو جتنا چاہے دے دے۔ ﴿ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ۝ ﴾ اس کے فیصلے اور اس کے ارادے کے آگے کوئی رکاوٹ بننے والا نہیں ہے۔

مکافات و مجازات کا قانونِ الٰہی

﴿ مَنْ كَانَ يُرِيْدُ حَرْثَ الْاٰخِرَةِ نَزِدْ لَهٗ فِيْ حَرْثِهٖ ۚ وَمَنْ كَانَ يُرِيْدُ حَرْثَ الدُّنْيَا نُؤْتِهٖ مِنْهَا وَمَا لَهٗ فِي الْاٰخِرَةِ مِنْ نَّصِيْبٍ ۝ ﴾

"تم میں سے جو کوئی آخرت کی کھیتی چاہتا ہے اس کی کھیتی کو ہم بڑھاتے ہیں' اور جو دنیا کی کھیتی چاہتا ہے اسے ہم دنیا ہی میں دے دیتے ہیں' مگر آخرت میں اس کا کوئی حصہ نہیں ہے"۔

یہ بڑا پیارا اور اٹل قانون ہے جو یہاں پہ مختصر طور پر آیا ہے۔ سورۂ بنی اسرائیل

کے دوسرے رکوع میں اس موضوع کا نقطۂ عروج (climax) بیان ہوا ہے۔ ہر مضمون قرآن مجید میں کہیں نہ کہیں اپنی آخری شان میں ظاہر ہوتا ہے۔ یہاں فرمایا : ﴿ مَنْ كَانَ يُرِيْدُ حَرْثَ الْاٰخِرَةِ ﴾ "جو کوئی طالب ہو آخرت کی کھیتی کا"۔ اصل مسئلہ یہ ہے کہ آپ فیصلہ کیجئے کہ آپ آخرت کے طالب ہیں یا دنیا کے؟ آپ کا مقصود و مطلوب آخرت ہے یا دنیا؟ عقبیٰ چاہئے یا دنیا چاہئے؟ فیصلہ کیجئے! شعوری طور پر فیصلہ ہو' پھر اُس پر ڈٹ جایئے۔ یہ نہ ہو کہ دنیا ذرا ہاتھ سے جاتی دکھائی دی تو دل پژمردہ ہو گیا اور طبیعت مضمحل ہو گئی۔ اگر تم فیصلہ کر چکے ہو کہ تمہاری مراد آخرت ہے تو اگر دنیا میں کمی آ رہی ہے تو تمہیں کوئی پریشانی اور پشیمانی نہیں ہونی چاہئے۔ آدمی طے کرے کہ اوّلیت کس شے کو حاصل ہے' مقدم کیا ہے مؤخر کیا ہے۔ یہ فیصلہ کرے پھر اس پر جم جائے' مستقیم ہو جائے۔ اسی فیصلے کو ارادہ کہا گیا ہے۔ اسی لفظ ارادہ سے لفظ "مُرید" بنتا ہے۔ اَرَادَ' یُرِیْدُ' اِرَادَۃً اور اس سے اسم فاعل مُرید "ارادہ کرنے والا"۔ اب یا تو کوئی مرید ہے آخرت کا یا کوئی مرید ہے دنیا کا۔ فرمایا : ﴿ مَنْ كَانَ يُرِيْدُ حَرْثَ الْاٰخِرَةِ نَزِدْ لَهٗ فِيْ حَرْثِهٖ ﴾ "جو کوئی آخرت کی کھیتی کا طلب گار ہے' اس کا ارادہ کر لے تو اس کی کھیتی میں ہم برکت دیتے رہتے ہیں"۔ اس میں اضافہ ہوتا رہتا ہے۔ اس دنیا کی زندگی میں جو نیک اعمال انسان آگے بھیجتا ہے اللہ تعالیٰ انہیں پروان چڑھاتا ہے' پالتا ہے' پوستا ہے' ترقی دیتا ہے۔ ﴿ وَمَنْ كَانَ يُرِيْدُ حَرْثَ الدُّنْيَا ﴾ "اور جو کوئی طالب بن جاتا ہے دنیا کی کھیتی کا"۔ جس کا مقصود و مطلوب دنیا بن گئی ﴿ نُؤْتِهٖ مِنْهَا ﴾ "ہم اسے دے دیتے ہیں اس میں سے"۔ ہم یہ نہیں کرتے کہ جو بہرحال دنیا ہی کا طالب بن گیا ہے' جس کی مراد دنیا ہی ہو گئی ہے اسے ہم دنیا سے بھی محروم کر دیں۔ لہٰذا دنیا میں اسے ہم کچھ دے دلا دیتے ہیں۔ ﴿ وَمَا لَهٗ فِي الْاٰخِرَةِ مِنْ نَّصِيْبٍ ۝ ﴾ "پھر ایسے شخص کیلئے آخرت میں کوئی حصّہ نہیں ہے"۔ تم یہ چاہو کہ یہ بھی ملے اور وہ بھی ملے' دو دو اور وہ بھی چپڑی' یہ مشکل ہے۔ طے کرو کہ کیا اصل مطلوب و مقصود اور مراد ہے! آخرت کے طلب گار ہو تو آخرت کی کھیتی میں برکتیں ہی برکتیں ہیں' بڑھوتری ہی بڑھوتری ہے' لیکن اگر تم طالب دنیا بن گئے ہو تو اللہ تعالیٰ اس دنیا میں سے تمہیں کچھ نہ کچھ ضرور دے دے گا لیکن آخرت میں تمہارا کوئی حصّہ نہیں ہے۔

طلب کے مطابق دو جداگانہ انجام

سورۂ بنی اسرائیل کی آیات نمبر۱۸ اور۱۹ اِس موضوع پر قرآن مجید کا ذروۂ سنام یعنی چوٹی ہیں۔ فرمایا :

﴿ مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْعَاجِلَةَ عَجَّلْنَا لَهٗ فِيْهَا مَا نَشَآءُ لِمَنْ نُّرِيْدُ ثُمَّ جَعَلْنَا لَهٗ جَهَنَّمَ ۚ يَصْلٰهَا مَذْمُوْمًا مَّدْحُوْرًا ۝ وَمَنْ اَرَادَ الْاٰخِرَةَ وَسَعٰى لَهَا سَعْيَهَا وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰٓئِكَ كَانَ سَعْيُهُمْ مَّشْكُوْرًا ۝ ﴾

عجلت کہتے ہیں جلدی کو۔ دنیا کے فوائد اور اس کی لذت چونکہ نقد ہیں' موجود ہیں' سامنے ہیں' لہٰذا قرآن اس کو عاجلہ سے منسوب کرتا ہے۔ دنیا عاجلہ ہے۔ فرمایا : ﴿ مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْعَاجِلَةَ ﴾ "جسے یہ جلدی والی نعمتیں مطلوب ہیں"۔ یہاں کا عیش' یہاں کا آرام' یہاں کی عزت' یہاں کی دولت' یہاں کی شہرت' یہاں کی ثروت' یہاں کی وجاہت' یہاں کا اقتدار جسے چاہیئے : ﴿ عَجَّلْنَا لَهٗ فِيْهَا مَا نَشَآءُ لِمَنْ نُّرِيْدُ ﴾ "ہم جلدی سے دے دیتے ہیں اس میں سے یعنی دنیا میں سے جو ہم چاہیں اور جس کے لئے چاہیں"۔ یہاں ایک بات مکمل ہوئی۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہ ضروری نہیں ہے کہ جو دنیا کے طالب بنیں تو جو وہ چاہیں ان کو مل جائے۔ پھر تو یہاں ہر شخص کروڑپتی ہوتا۔ یہاں تو بہت سے ایسے ہیں جو ساری عمر جوتیاں چٹخارتے دنیا کے پیچھے پھرتے رہتے ہیں پھر بھی اس دنیا سے بہت تھوڑا ہی ان کے ہاتھ لگتا ہے۔ اصل فیصلہ واختیار تو اللہ تعالیٰ کے اپنے ہاتھ میں ہے۔ لہٰذا فرمایا کہ جو کوئی اس عاجلہ کا طلب گار بن جائے گا تو ﴿ عَجَّلْنَا لَهٗ فِيْهَا مَا نَشَآءُ لِمَنْ نُّرِيْدُ ﴾ ہم اسے یہیں جلدی دے دیتے ہیں اس دنیا میں جو کچھ چاہیں اور جس کے لئے چاہیں ﴿ ثُمَّ جَعَلْنَا لَهٗ جَهَنَّمَ ۚ يَصْلٰهَا مَذْمُوْمًا مَّدْحُوْرًا ۝ ﴾ "پھر ہم اس کے لئے جہنم کا ٹھکانا مقرر کر دیتے ہیں جس میں وہ جھونکا جائے گا ملامت و مذمت زدہ ہو کر اور دھکے دیئے جا کر۔"

اب اگلی آیت میں ان لوگوں کے انجام کو بیان کیا جا رہا ہے جو اِس دنیا میں عاجلہ کے بجائے آخرت کے طلب گار ہوں گے۔ یہاں آپ دیکھیں گے کہ دو شرطیں بیان ہو رہی

ہیں۔ فرمایا : ﴿ وَمَنْ اَرَادَ الْاٰخِرَةَ وَسَعٰى لَهَا سَعْيَهَا ﴾ "اور جو آخرت کا طلب گار بن جائے' اس کا خواہش مند ہو اور وہ اس کے لئے محنت کرے' دوڑ دھوپ کرے جیسی کہ اس کے لئے محنت و تگ و دو کرنی چاہئے"۔ یعنی اگر زبانی کلامی آخرت کے طلب گار بن کر بیٹھ جاؤ گے تو وہ تمہاری سچی طلب نہیں ہو گی۔ آخرت کے سچے اور حقیقی طالب ہو تو اس کے حصول کے لئے محنت کرو' ایسی محنت جیسی کہ اس کے لئے ضروری ہے۔ دنیا کا جو طالب ہوتا ہے کیا اسے بغیر محنت کے دنیا مل جاتی ہے؟ صبح سے شام تک آدمی کمر توڑ دینے والی مشقت کرتا ہے تب جا کر کہیں دنیا ملتی ہے۔ اگر آخرت کی حقیقی طلب ہے تو اسی کی مطابقت سے محنت و مشقت اور سعی و جدوجہد بھی کرنی پڑے گا۔ آگے فرمایا : ﴿ وَهُوَ مُؤْمِنٌ ﴾ "اور وہ ہو صاحب ایمان"۔ توحید کے التزام اور شرک سے بالکلیہ اجتناب کے ساتھ اللہ پر ایمان رکھتا ہو' ان تمام احوال آخرت پر یقین قلبی رکھتا ہو جن کی خبریں قرآن مجید اور صحیح احادیث میں آئی ہیں' جو رسول اللہ ﷺ کی خاتم النبیین والمرسلین کی حیثیت سے دل سے تصدیق کرتا ہو' تو ایسے شخص کے لئے خوشخبری ہے اس انجام کی کہ : ﴿ فَاُولٰٓئِكَ كَانَ سَعْيُهُمْ مَّشْكُوْرًا ۝ ﴾ "تو ایسے ہر شخص کی محنت مشکور ہو کر رہے گی"۔ اللہ تعالیٰ ان کی قدر فرمائے گا' ان کا مقصود و مطلوب ان کو مل جائے گا۔ اللہ کی رضا اُن کو حاصل ہو گی اور آخرت میں ان کے لئے عمدہ راحت' رزق اور نعمتوں سے مالا مال جنت ہو گی : ﴿ فَرَوْحٌ وَّرَيْحَانٌ وَّجَنَّتُ نَعِيْمٍ ۝ ﴾ پس سورۂ بنی اسرائیل کی یہ دو آیتیں بہت اہم ہیں اس موضوع پر جو سورۃ الشوریٰ کی زیر نظر آیت میں بیان ہوا۔ البتہ ترتیب بدلی ہوئی ہے۔ یہاں پہلے دنیا پھر آخرت کا بیان ہوا جبکہ سورۃ الشوریٰ میں پہلے آخرت کا پھر دنیا کا اور آخرت میں بے نصیبی کا ذکر ہوا۔

مشرکین کے پاس کوئی شریعت اور دین نہیں ہوتا

آگے فرمایا : ﴿ اَمْ لَهُمْ شُرَكٰٓؤُا شَرَعُوْا لَهُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا لَمْ يَاْذَنْۢ بِهِ اللّٰهُ ۭ ﴾ "کیا ان لوگوں کے لئے (اللہ کے) کچھ ایسے شریک ہیں جنہوں نے ان کے لئے از قسم دین (از قسم نظامِ حیات اور دستورِ زندگی) کوئی ایسا طریقہ مقرر کر دیا ہے جس کا اللہ نے حکم یا اذن نہیں دیا؟"

رسول اللہ ﷺ توحید کی اور اسی توحید پر مبنی دین قائم کرنے کی دعوت دے رہے ہیں۔ آپؐ کے مخاطبین جو اب مخالفین بن گئے ہیں' وہ کون ہیں؟ ایک طرف مشرکین ایک طرف اہلِ کتاب۔ اہلِ کتاب کے بارے میں تو ذکر ہو چکا۔ البتہ مشرکین کے بارے میں بات اب مکمل کی جا رہی ہے۔ دنیا میں شرک کے نظام میں یہ بات ملے گی کہ ہر نظامِ شرک میں کچھ دیویاں' کچھ دیوتا' کچھ چھوٹے خدا تو بنا دیئے جاتے ہیں لیکن آج تک کسی دیوی یا دیوتا کا بھیجا ہوا کوئی صحیفہ' کوئی شریعت کوئی کتاب کہیں نہیں ہے۔ وہ بہت سی دیویوں اور دیوتاؤں کو پوج رہے ہیں لیکن کیا وہ اس کے مدّعی ہیں کہ ہمارے پاس فلاں دیوی یا دیوتا کا دیا ہوا یہ صحیفہ ہے۔ ہندوؤں سے پوچھ کر دیکھئے! وہ کسی دیوی یا دیوتا سے کوئی صحیفہ منسوب کر ہی نہیں سکتے' اس لئے کہ اس کا سرے سے وجود ہے ہی نہیں۔ عرب کے مشرکین لات' منات' عزّیٰ' ہبل اور نہ معلوم کن کن ناموں کے بُتوں کو پوجتے تھے لیکن ان بُتوں نے انہیں کوئی شریعت دی تھی؟ کوئی قانون دیا تھا؟ کوئی نظام دیا تھا؟ کچھ بھی نہیں۔ نہ وہ اس کے مدعی تھے۔ ثابت ہوا کہ یہ تمام اصنام مشرکین کے اپنے ذہنوں کے تراشے ہوئے تھے۔ اگر ان کی کوئی حیثیت ہوتی تو وہ کوئی نہ کوئی شریعت دیتے' کوئی قانون دیتے' کوئی ضابطہ دیتے' کچھ اصول دیتے۔ کسی شے کو حلال ٹھہراتے اور کسی شے کو حرام۔ اگر واقعی کسی میں الوہیت ہو تو وہ دین دے گا۔ حقیقت ان کی کوئی نہیں۔ اسی لئے یہاں استفہامیہ انداز میں فرمایا : ﴿ اَمْ لَهُمْ شُرَكٰٓؤُا شَرَعُوْا لَهُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا لَمْ يَاْذَنْۢ بِهِ اللّٰهُ ۭ ﴾ "کیا ان کے کوئی ایسے شریک ہیں جنہوں نے ان کے لئے وہ شریعت دی ہو' وہ نظام تجویز کیا ہو جس کا حکم اللہ نے نہیں دیا؟"

موجودہ مشرکانہ و مبتدعانہ افعال پر انطباق

غور کیجئے ہمارے یہاں بھی جن جن کو پوجا جا رہا ہے کیا ان کی طرف سے کوئی ہدایت ہے' کوئی صحیفہ ہے' کوئی شریعت ہے؟ کیا انہوں نے وصیت کی تھی کہ ہماری قبروں کو عبادت گاہیں بنا لینا؟ کچھ بھی تو نہیں۔ یہ سب صرف اس لئے ایجاد کر لیا گیا کہ : ﴿ هٰٓؤُلَاۗءِ شُفَعَاۗؤُنَا عِنْدَ اللّٰهِ ﴾ یا یہ کہ ﴿ لِيُقَرِّبُوْنَآ اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى ﴾ اسی کے پیش نظر ان کے مزاروں پر چڑھاوے چڑھائے جاتے ہیں کہ یہ اللہ کے یہاں ہمارے لئے وسیلہ بن جائیں گے' یہ ہمارے

لئے سفارشی بن جائیں گے' یہ وہاں ہمارا بیڑہ پار لگوا دیں گے۔ یہ سب کچھ کیا ہے! ان کو قرآن "امانی" کہتا ہے ﴿ تِلْكَ اَمَانِيُّهُمْ ﴾ یہ ان کی تمنائیں (wishful thinkings) ہیں' اس کے سوا کچھ بھی نہیں۔ خود کو مسلمان کہنے کے باوجود خود دین پر عمل تو کریں نہیں اور دل میں ان تمناؤں اور آرزوؤں کی پرورش کرتے رہیں کہ فلاں فلاں اولیاء اللہ ہماری شفاعت کریں گے' کیونکہ ہم نے ان کے مزاروں کی' ان کے مقبروں کی' ان کی درگاہوں کی' ان کے سجادہ نشینوں کی بڑی بڑی خدمات انجام دی ہیں' نذرانے پیش کئے ہیں' چڑھاوے چڑھائے ہیں' ان کی نیاز دی ہے۔ یہ سب کچھ اس دین اور شریعت کے منافی ہے جو جنابِ محمدؐ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں دیا ہے۔ ایں خیال است و محال است و جنوں!

مشرکین دین سے تہی دست ہوتے ہیں

یہ ہے موضوع اور مضمون آیت کے اس حصّے کا کہ شرک کے قائل لوگوں کے پاس کوئی شریعت نہیں' کوئی کتاب نہیں' کوئی صحیفہ نہیں' ان کے پاس کوئی نظام نہیں۔ اس لئے کہ مشرک جن ہستیوں کو الوہیت میں شریک ٹھہراتا ہے ان کی کوئی حقیقت ہے ہی نہیں۔ ﴿ اَمْ لَهُمْ شُرَكٰٓؤُا شَرَعُوْا لَهُمْ مِّنَ الدِّيْنِ ﴾ کیا ہیں ان کے ایسے شرکاء جنہوں نے ان کے لئے دین میں کوئی ضابطہ' کوئی قانون' کوئی دستور' کوئی شریعت اُنہیں دی ہو؟ موجودہ عیسائیت کیا ہے؟ یہ دین نہیں ہے' محض عقیدہ (dogma) بن کر رہ گئی ہے۔ کسی مشرکانہ نظام میں پوجا پاٹ کے کچھ ضابطے اگر ہیں تو وہ پجاریوں اور پنڈتوں کے بنائے ہوئے ہیں۔ کم از کم ان کو اتنا کریڈٹ ضرور ملتا ہے کہ انہوں نے جھوٹ موٹ بھی یہ دعویٰ نہیں کیا کہ یہ ہمارے فلاں دیوی یا دیوتا کا نازل کردہ ہے' یا پوجا پاٹ کے فلاں طور طریقے فلاں فلاں دیوی یا دیوتا کے مقرر کردہ ہیں۔ ہندوستان یا قبل ظہور اسلام عرب میں کسی نے یہ دعویٰ نہیں کیا کہ فلاں صحیفہ فلاں دیوی دیوتا یا فلاں بُت کا نازل کردہ ہے۔

اجل مسمّٰی کے ضابطہ کا اعادہ

﴿ وَلَوْ لَا كَلِمَةُ الْفَصْلِ لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ ۭ وَاِنَّ الظّٰلِمِيْنَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝ ﴾

"اگر آخری فیصلہ کے لئے طے نہ ہو چکا ہوتا تو اُن کا قضیہ چکا دیا گیا ہوتا' اور یقیناً ان ظالموں کے لئے دردناک عذاب ہے"۔

اب ان مشرکوں کے متعلق اسی سُنّت اللہ کے بیان کا اعادہ ہو رہا ہے جو اہلِ کتاب کے بارے میں بایں الفاظ فرمایا گیا تھا : ﴿ وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ اِلٰى اَجَلٍ مُّسَمًّى لَّقُضِيَ بَيْنَهُمْ ﴾ اللہ تعالیٰ نے اس دنیا میں پیدا ہونے والے تمام انسانوں کے لئے جہاں ایک مہلتِ عمر اور مہلتِ عمل مقرر کر رکھی ہے' وہاں اس دنیا کے آخری انجام یعنی الساعۃ (قیامت) کے لئے بھی اپنے علم ازلی میں ایک وقت طے کیا ہوا ہے۔ اس کا علم اس نے کسی کو نہیں دیا : ﴿ يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ السَّاعَةِ اَيَّانَ مُرْسٰهَا ○ فِيْمَ اَنْتَ مِنْ ذِكْرٰهَا ○ اِلٰى رَبِّكَ مُنْتَهٰهَا ○ ﴾ "(اے نبیؐ) یہ لوگ آپ سے پوچھتے ہیں کہ قیامت کی گھڑی کب آکر ٹھہرے گی؟ آپ کا کیا کام کہ اس کا وقت بتائیں۔ اس کا علم تو اللہ پر ہی ختم ہے"۔ اور جیسے فرمایا : ﴿ اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ ﴾ "قیامت کی گھڑی کا علم تو بس اللہ ہی کے پاس ہے"۔ لہٰذا یہاں مشرکوں سے کہا جا رہا ہے کہ اگر آخری گھڑی کا پہلے سے وقت اللہ کے علم میں طے نہ ہو چکا ہوتا تو تمہارا قضیہ چکا دیا جاتا۔ یہ بات پیش نظر رہے کہ قرآن مجید کی اصطلاح میں اکثر و بیشتر ظلم کا لفظ شرک اور ظالمین کا لفظ مشرکین کے لئے آتا ہے۔ جیسے : ﴿ اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ ﴾

خلاصہ

اقامتِ دین کا حکم سورۃ الشوریٰ کی عظیم ترین آیت نمبر ۱۳ کے ذریعے آیا : ﴿ اَنْ اَقِيْمُوا الدِّيْنَ ﴾ اس امر کی تاکید بھی آئی کہ اقامت دین کے بارے میں تفرقہ میں نہ پڑنا: ﴿ وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِيْهِ ﴾ مزید برآں ہمارے سامنے یہ اُمور آئے کہ اُس وقت نبی اکرم ﷺ کے مقابلے میں دو گروہ تھے' مشرکین اور اہلِ کتاب۔ ان دونوں کا طرزِ عمل' پھر اُن دونوں کے بارے میں حضور ﷺ کے لئے رہنمائی بھی ہمارے سامنے آئی۔ پھر حضور ﷺ کو اپنے فرضِ منصبی کی ادائیگی کے لئے کمربستہ ہونے کا حکم اور اپنے موقف پر جم جانے' ڈٹ جانے اور مستقیم ہو جانے کی تاکید آئی۔ حضور ﷺ سے اس امر کا اعلان بھی سامنے آیا کہ مجھے حکم ملا ہے کہ میں تمہارے مابین نظامِ عدل و قسط قائم کروں : ﴿ وَاُمِرْتُ

(باقی صفحہ ۵۲ پر)

مسلمان کا طرزِ حیات (۱۱)

علامہ ابو بکر الجزائری کی شہرۂ آفاق تالیف

"منہاجُ المُسلم" کا اردو ترجمہ

مترجم : مولانا عطاء اللہ ساجد

کتاب العقائد

بارہواں باب

تقدیر پر ایمان

ایک مسلمان اللہ تعالیٰ کی قضاء و قدر [1] اور اس کی حکمت و مشیت پر ایمان رکھتا ہے۔ یعنی اللہ کے علم اور تقدیر کے بغیر کوئی چیز وجود میں نہیں آتی، حتیٰ کہ بندوں کے اختیاری افعال بھی اس میں شامل ہیں۔ اللہ تعالیٰ قضاء و قدر میں عادل اور تصرف و تدبیر میں حکیم ہے۔ اس کی حکمت اس کی مشیت کے تابع ہے۔ وہ جو چاہتا ہے ہو جاتا ہے اور جو کچھ وہ نہیں چاہتا وہ نہیں ہوتا۔ خیر کی توفیق بھی اللہ کی طرف سے ہے اور شر سے بچاؤ بھی اُسی کی رحمت سے۔

اس عقیدہ کے نقلی اور عقلی دلائل مندرجہ ذیل ہیں :

نقلی دلائل

① اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں بہت سے مقامات پر اس کو بیان فرمایا ہے، مثلاً :

﴿ اِنَّا كُلَّ شَیْءٍ خَلَقْنٰهُ بِقَدَرٍ ۝ ﴾ (القمر : ۴۹)

"بے شک ہم نے ہر چیز کو ایک اندازے سے پیدا کیا ہے۔"

اور ارشاد ہے :

﴿ وَاِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا عِنْدَنَا خَزَآئِنُهٗ ۫ وَمَا نُنَزِّلُهٗۤ اِلَّا بِقَدَرٍ مَّعْلُوْمٍ ۝ ﴾

(الحجر : ۲۱)

"اور کوئی چیز ایسی نہیں جس کے خزانے ہمارے پاس موجود نہ ہوں، اور ہم اسے

معلوم مقدار کے ساتھ نازل فرماتے ہیں۔"

ایک مقام پر فرمایا:

﴿ مَآ اَصَابَ مِنْ مُّصِيْبَةٍ فِى الْاَرْضِ وَلَا فِىْٓ اَنْفُسِكُمْ اِلَّا فِىْ كِتٰبٍ مِّنْ قَبْلِ اَنْ نَّبْرَاَهَا ۭ اِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ ۝ ﴾ (الحدید : ۲۲)

"زمین میں یا تمہاری جانوں میں جو بھی مصیبت آتی ہے وہ ایک کتاب میں (درج کر دی گئی) ہے قبل اس کے کہ ہم اسے وجود بخشیں۔ یقیناً یہ بات اللہ کے لیے آسان ہے۔"

اور فرمایا:

﴿ مَآ اَصَابَ مِنْ مُّصِيْبَةٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ۭ ﴾ (التغابن : ۱۱)

"جو بھی مصیبت آتی ہے وہ اللہ کے اذن سے ہی آتی ہے۔"

اور فرمایا:

﴿ وَكُلَّ اِنْسَانٍ اَلْزَمْنٰهُ طٰۗىِٕرَهٗ فِىْ عُنُقِهٖ ۭ ﴾ (بنی اسراءیل : ۱۳)

"اور ہم نے ہر انسان کے مقدر کو اُس کی گردن میں پیوست کر دیا ہے۔"

اور فرمایا:

﴿ قُلْ لَّنْ يُّصِيْبَنَآ اِلَّا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَنَا ۚ هُوَ مَوْلٰىنَا ۚ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝ ﴾ (التوبۃ : ۵۱)

"فرما دیجئے : ہمیں ہرگز کوئی مصیبت نہیں پہنچے گی مگر جو اللہ نے ہمارے لیے لکھ دی ہے۔ وہ ہمارا مالک ہے۔ اور مؤمنوں کو اللہ ہی پر بھروسہ کرنا چاہیئے۔"

ایک مقام پر ارشاد ہوا:

﴿ وَعِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَآ اِلَّا هُوَ ۭ وَيَعْلَمُ مَا فِى الْبَرِّ وَالْبَحْرِ ۭ وَمَا تَسْقُطُ مِنْ وَّرَقَةٍ اِلَّا يَعْلَمُهَا وَلَا حَبَّةٍ فِىْ ظُلُمٰتِ الْاَرْضِ وَلَا رَطْبٍ وَّلَا يَابِسٍ اِلَّا فِىْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ۝ ﴾ (الانعام : ۵۹)

"اور غیب کی چابیاں اُسی کے پاس ہیں' اس کے سوا انہیں کوئی نہیں جانتا۔ جو کچھ بھی خشکی اور سمندر میں ہے وہ اسے جانتا ہے اور جو پتّہ بھی گرتا ہے وہ اسے جانتا ہے' اور زمین کے اندھیروں میں جو دانہ بھی موجود ہے اور جو بھی خشک و تر

ہے وہ سب ایک کتابِ مبین میں درج ہے۔"

اور فرمایا:

﴿ وَمَا تَشَآءُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ ﴾ (التکویر: ۲۹)

"اور تم نہیں چاہتے، پر اگر جہانوں کا مالک اللہ چاہے۔"

اور فرمایا:

﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ سَبَقَتْ لَهُمْ مِّنَّا الْحُسْنٰٓى ۙ اُولٰٓئِكَ عَنْهَا مُبْعَدُوْنَ ۝ ﴾

(الانبیاء: ۱۰۱)

"بے شک جن کو ہماری طرف سے پہلے ہی بھلائی مل گئی وہ اس (جہنم) سے دُور رکھے جائیں گے۔"

اور فرمایا:

﴿ وَلَوْلَآ اِذْ دَخَلْتَ جَنَّتَكَ قُلْتَ مَا شَآءَ اللّٰهُ ۙ ... ﴾ (الکھف: ۳۹)

"(نیک آدمی نے اپنے بھائی سے کہا) اور جب تو باغ میں داخل ہوا تھا تو کیوں نہ تو نے کہا: مَاشَاءَ اللّٰهُ (یعنی جو اللہ چاہے وہی ہوتا ہے)۔"

اور فرمایا:

﴿ وَمَا كُنَّا لِنَهْتَدِيَ لَوْلَآ اَنْ هَدٰىنَا اللّٰهُ ۭ ﴾ (الاعراف: ۴۳)

"اور (جنّتی کہیں گے) ہم ہدایت نہیں پاسکتے تھے اگر اللہ ہی ہماری راہنمائی نہ فرماتا۔"

(۲) جناب رسول اللہ ﷺ نے بہت سی احادیث میں تقدیر کا ذکر فرمایا ہے، مثلاً ارشاد ہے:

((اِنَّ اَحَدَكُمْ يُجْمَعُ خَلْقُهُ فِيْ بَطْنِ اُمِّهٖ اَرْبَعِيْنَ يَوْمًا نُطْفَةً، ثُمَّ يَكُوْنُ عَلَقَةً مِثْلَ ذٰلِكَ، ثُمَّ يَكُوْنُ مُضْغَةً مِثْلَ ذٰلِكَ، ثُمَّ يُرْسَلُ اِلَيْهِ الْمَلَكُ فَيَنْفُخُ فِيْهِ الرُّوْحَ وَيُؤْمَرُ بِاَرْبَعِ كَلِمَاتٍ: بِكَتْبِ رِزْقِهٖ وَاَجَلِهٖ وَعَمَلِهٖ وَشَقِيٌّ اَوْ سَعِيْدٌ، فَوَالَّذِيْ لَآ اِلٰهَ غَيْرُهٗ اِنَّ اَحَدَكُمْ لَيَعْمَلُ بِعَمَلِ اَهْلِ الْجَنَّةِ حَتّٰى مَا يَكُوْنُ بَيْنَهٗ وَبَيْنَهَا اِلَّا ذِرَاعٌ، فَيَسْبِقُ عَلَيْهِ الْكِتَابُ فَيَعْمَلُ بِعَمَلِ اَهْلِ النَّارِ فَيَدْخُلُهَا، وَاِنَّ اَحَدَكُمْ لَيَعْمَلُ بِعَمَلِ اَهْلِ

النَّارِ حَتّٰی مَا یَکُوْنُ بَیْنَهٗ وَبَیْنَهَا اِلَّا ذِرَاعٌ فَیَسْبِقُ عَلَیْهِ الْکِتٰبُ فَلْیَعْمَلْ بِعَمَلِ اَهْلِ الْجَنَّةِ فَیَدْخُلُهَا)) (۲)

"انسان کی تخلیق ماں کے پیٹ میں چالیس دن تک قطرہ کی حالت میں رہتی ہے' پھر اتنا ہی عرصہ لوتھڑے کی حالت میں رہتا ہے' پھر اتنا ہی عرصہ گوشت کا ٹکڑا رہتا ہے' پھر اُس کی طرف فرشتہ بھیجا جاتا ہے جو اُس میں روح پھونک دیتا ہے' اور اُسے چار باتیں لکھنے کا حکم دیا جاتا ہے کہ اُس کا رزق' اُس کی مقررہ عمر' اُس کا کردار اور اُس کا خوش قسمت یا بدنصیب ہونا لکھ دے۔ پس قسم ہے اُس ذات کی جس کے سوا کوئی معبود نہیں! (ایسا بھی ہوتا ہے کہ) ایک آدمی جنتیوں والے عمل کرتا رہتا ہے حتیٰ کہ وہ جنت میں ہاتھ بھر فاصلہ پر پہنچ جاتا ہے' پھر (اچانک) اس کی تقدیر غالب آجاتی ہے اور وہ جہنمیوں والے عمل کرکے دوزخ میں چلا جاتا ہے۔ اور (ایسا بھی ہوتا ہے کہ) ایک آدمی جہنمیوں والے عمل کرتا رہتا ہے حتیٰ کہ اُس شخص کا جہنم سے ایک ہاتھ کا فاصلہ رہ جاتا ہے' پھر اس کی تقدیر غالب آ جاتی ہے تو وہ جنتیوں والے عمل کرکے جنت میں داخل ہو جاتا ہے۔"

رسول اللہ ﷺ نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے ارشاد فرمایا تھا:

((یَا غُلَامُ اِنِّیْ اُعَلِّمُكَ کَلِمَاتٍ : اِحْفَظِ اللّٰهَ یَحْفَظْكَ' اِحْفَظِ اللّٰهَ تَجِدْهُ تُجَاهَكَ' اِذَا سَاَلْتَ فَاسْئَلِ اللّٰهَ' وَاِذَا اسْتَعَنْتَ فَاسْتَعِنْ بِاللّٰهِ' وَاعْلَمْ اَنَّ الْاُمَّةَ لَوِ اجْتَمَعَتْ عَلٰی اَنْ یَّنْفَعُوْكَ بِشَیْءٍ لَمْ یَنْفَعُوْكَ اِلَّا بِشَیْءٍ قَدْ کَتَبَهُ اللّٰهُ لَكَ' وَاِنِ اجْتَمَعُوْا عَلٰی اَنْ یَّضُرُّوْكَ بِشَیْءٍ لَمْ یَضُرُّوْكَ اِلَّا بِشَیْءٍ قَدْ کَتَبَهُ اللّٰهُ عَلَیْكَ' رُفِعَتِ الْاَقْلَامُ وَجَفَّتِ الصُّحُفُ)) (۳)

"لڑکے! میں تجھے کچھ باتیں سکھاتا ہوں: اللہ کا خیال رکھ' اللہ تیرا خیال رکھے گا' اللہ کا خیال رکھ' اسے اپنے سامنے پائے گا۔ جب تو مانگے تو اللہ ہی سے مانگ اور جب تو مدد چاہے تو اللہ ہی سے مدد چاہ' اور جان لے کہ اگر پوری قوم متفق ہو کر تجھے کچھ فائدہ پہنچانا چاہے تو وہ سب تجھے وہی فائدہ پہنچا سکیں گے جو اللہ نے تیرے لیے لکھ دیا ہے۔ اور اگر وہ سب متفق ہو کر تجھے کوئی نقصان پہنچانا چاہیں تو تجھے اتنا

ہی نقصان پہنچا سکیں گے جتنا اللہ نے تیرے لیے لکھ دیا ہے۔ قلم اٹھا لیے گئے ہیں اور صحیفے خشک ہو چکے۔"(۳)

نیز ارشاد نبویؐ ہے:

((اِنَّ اَوَّلَ مَا خَلَقَ اللّٰهُ تَعَالٰى الْقَلَمَ فَقَالَ لَهُ اُكْتُبْ، فَقَالَ: رَبِّ وَمَاذَا اَكْتُبُ؟ قَالَ: اُكْتُبْ مَقَادِيْرَ كُلِّ شَيْءٍ حَتّٰى تَقُوْمَ السَّاعَةُ))(۴)

"سب سے پہلے اللہ نے قلم کو پیدا فرمایا اور اسے ارشاد فرمایا: لکھ! اس نے عرض کیا: میرے رب! میں کیا لکھوں؟ فرمایا: "قیامت قائم ہونے تک (وجود میں آنے والی) تمام چیزوں کی تقدیریں لکھ دے۔"

ایک حدیث میں حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((اِحْتَجَّ آدَمُ وَمُوْسٰى، قَالَ مُوْسٰى: يَا آدَمُ اَنْتَ اَبُوْنَا خَيَّبْتَنَا وَاَخْرَجْتَنَا مِنَ الْجَنَّةِ، فَقَالَ آدَمُ: اَنْتَ مُوْسٰى، اصْطَفَاكَ اللّٰهُ بِكَلَامِهٖ وَخَطَّ لَكَ التَّوْرَاةَ بِيَدِهٖ تَلُوْمُنِيْ عَلٰى اَمْرٍ قَدَّرَهُ اللّٰهُ عَلَيَّ قَبْلَ اَنْ يَّخْلُقَنِيْ بِاَرْبَعِيْنَ عَامًا، فَحَجَّ آدَمُ مُوْسٰى))(۵)

"آدم اور موسیٰ علیہما السلام کی آپس میں بحث ہو گئی۔ موسیٰ علیہ السلام نے کہا: اے آدم! آپ ہمارے والد ہیں، لیکن آپ نے ہمیں ناکامی سے دوچار کر دیا اور جنت سے نکلوا دیا۔ آدم علیہ السلام نے فرمایا: آپ موسیٰ ہیں، آپ کو اللہ تعالیٰ نے ہم کلامی کا خصوصی شرف بخشا اور آپ کو اپنے ہاتھ سے تورات لکھ کر دی۔ کیا آپ مجھے ایسی بات پر ملامت کرتے ہیں جو اللہ نے میری تخلیق سے چالیس سال پہلے مقرر فرما دی تھی؟ چنانچہ آدم علیہ السلام (اس بات چیت میں) موسیٰ علیہ السلام پر غالب آ گئے"۔

ایک حدیث میں جناب رسول اللہ ﷺ نے ایمان کی تعریف یوں فرمائی ہے کہ:

((اَنْ تُؤْمِنَ بِاللّٰهِ وَمَلَائِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَتُؤْمِنَ بِالْقَدْرِ خَيْرِهٖ وَشَرِّهٖ))(۶)

"تو اللہ پر، اس کے فرشتوں پر، اس کی کتابوں پر، اس کے رسولوں پر اور یوم آخرت پر ایمان لائے اور اچھی اور بری تقدیر پر بھی ایمان لائے۔"

نیز فرمایا:

((اِعْمَلُوْا فَكُلٌّ مُيَسَّرٌ لِمَا خُلِقَ لَهُ)) (۷)

"عمل کرو، ہر شخص کے لئے وہ کام آسان ہو جاتے ہیں جن کے لیے وہ پیدا کیا گیا ہے۔"

نیز ارشاد نبویؐ ہے:

((اِنَّ النَّذْرَ لَا يَرُدُّ قَضَاءً)) (۸)

"نذر تقدیر کو نہیں ٹالتی"۔

آنحضور ﷺ نے عبداللہ بن قیس رضی اللہ عنہ کو ارشاد فرمایا تھا:

((يَا عَبْدَ اللّٰهِ بْنِ قَيْسٍ اَلَا اُعَلِّمُكَ كَلِمَةً هِيَ مِنْ كُنُوْزِ الْجَنَّةِ؟ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ)) (۹)

"اے عبداللہ بن قیس! میں تجھے وہ بات نہ سکھاؤں جو جنت کے خزانوں میں سے ہے؟ وہ ہے "لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ" (اللہ کی توفیق کے بغیر شر سے بچاؤ ممکن ہے نہ خیر کی طاقت)"۔

ایک بار ایک آدمی نے حضور ﷺ سے کہہ دیا: مَاشَاءَ اللّٰهُ وَشِئْتَ "جو اللہ چاہے اور جو آپ چاہیں" تو حضور ﷺ نے فرمایا: قُلْ مَاشَاءَ اللّٰهُ وَحْدَهُ "یوں کہہ: جو اکیلا اللہ چاہے۔" (۱۰)

③ امّتِ محمدیہ (علیٰ صاحبہا الصلاۃ والسلام) کے اربوں عالم، دانشور اور پارسا افراد اللہ تعالیٰ کی قضاء و قدر پر ایمان رکھتے ہیں اور اس کی حکمت و مشیت کے قائل ہیں۔ وہ مانتے ہیں کہ ہر چیز اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے اور اس کی قدرت کے دائرہ میں ہے۔ اس کی سلطنت میں وہی کچھ ہوتا ہے جو وہ چاہتا ہے۔ جو وہ چاہتا ہے وہ ہو جاتا ہے اور جو وہ نہیں چاہتا وہ نہیں ہو سکتا۔ اور یہ یقین رکھتے ہیں کہ قلم نے قیامت تک ہر چیز کے اندازے بحکم الٰہی تحریر کر دیئے ہیں۔

عقلی دلائل

① قضاء و قدر، اللہ کی مشیت و حکمت، اس کا ارادہ اور تدبیر، ان میں سے کچھ بھی خلافِ عقل یا محال نہیں ہے۔ بلکہ عقل کی روشنی میں یہ سب کچھ یقینی اور لازمی

معلوم ہوتا ہے' کیونکہ کائنات میں اس کے واضح مظاہر موجود ہیں۔

(۲) اللہ تعالیٰ پر اور اس کی قدرت پر ایمان کا تقاضا ہے کہ اس کی قضاء وقدر اور اس کی حکمت اور اس کی مشیت پر بھی ایمان رکھا جائے۔

(۳) ہم دیکھتے ہیں کہ ایک ماہر تعمیرات انجینئر ایک چھوٹے سے کاغذ پر ایک عظیم عمارت کا نقشہ بناتا ہے اور اس کی تعمیر کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کے لیے ایک مدّت کا تعین کرتا ہے' پھر اس کی تعمیر شروع کر دیتا ہے' اور اس کی مقرر کردہ مدت کے اندر عمارت کاغذ کے نقشے سے حقیقت کے روپ میں ظاہر ہو جاتی ہے اور وہ کاغذ پر بنے ہوئے نقشے کے عین مطابق ہوتی ہے' نہ اس میں کسی معمولی چیز کی کمی ہوتی ہے نہ زیادتی۔ پھر اللہ تعالیٰ کے متعلق یہ بات کس طرح باعثِ حیرت ہو سکتی ہے کہ اس نے قیامت تک کے لیے جہان کی تقدیریں لکھ دی ہیں' پھر اس کے کمالِ علم وقدرت کی بناء پر ہر چیز اُس کے اندازے کے مطابق اپنے اپنے وقت اور زمانہ میں اسی مقدار و کیفیت کے مطابق وجود میں آتی جارہی ہے۔ اور ہمیں خوب علم ہے کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت بے انتہا ہے۔

(جاری ہے)

حواشی

(۱) قضاء سے مراد ہے کسی چیز کے وجود یا عدم کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا ازلی فیصلہ۔ اور قدرت سے مراد ہے اللہ کا کسی چیز کو خاص وقت پر خاص انداز میں وجود میں لانا۔ بعض اوقات یہ دونوں لفظ ایک دوسرے کی جگہ بھی بول لئے جاتے ہیں۔

(۲) صحیح مسلم' کتاب القدر' باب کیف خلق الآدمی فی بطن اُمّہٖ و کتابۃ رزقہٖ واجلہ وعملہٖ وشقاوتہ وسعادتہ۔

(۳) جامع الترمذی' ابواب صفۃ القیامۃ۔ باب حدیث حنظلہ۔ امام ترمذی نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔

(۴) سنن ابی داوٗد' کتاب السُّنَّۃ' باب القدر۔ مسند احمد ۳۱۷/۵۔ جامع الترمذی' ابواب القدر' باب ۱۷۔

(۵) صحیح مسلم' کتاب القدر' باب حجاج آدم و موسیٰ ﷺ۔ آدمؑ کے غالب آنے کی وضاحت یوں ہے: موسیٰ علیہ السلام کی ملامت برمحل نہیں تھی۔ کیونکہ اگر یہ ملامت جنت سے نکلنے پر تھی تو ملامت ایسی چیز پر ہوئی جس نے لازماً واقع ہونا ہی تھا کیونکہ اللہ تعالیٰ کا یہی فیصلہ

تھا اور اگر ملامت گناہ کے ارتکاب پر تھی تو آدمؑ تو اس غلطی سے توبہ کر چکے تھے اور جو شخص توبہ کرلے اسے ملامت کرنا نہ عقلاً درست ہے نہ شرعاً۔ (مصنف)

(۶) یہ حدیث جبریل کا ایک ٹکڑا ہے۔ صحیح مسلم' کتاب الایمان' باب الایمان والاسلام والاحسان

(۷) صحیح مسلم' کتاب القدر' باب کیفیۃ' خلق الادمی فی بطن امہ

(۸) یہ حدیث صحیح ہے اور صحاحِ ستہ کی تمام کتابوں میں موجود ہے۔ مثلاً صحیح البخاری' کتاب الایمان' باب الوفاء بالنذر اور صحیح مسلم کتاب القدر' باب النھی من النذر وانہ لا یرد شیئا (الفاظ کے معمولی فرق سے)

(۹) صحیح البخاری' کتاب الدعوات' باب قول لا حول ولا قوۃ الا باللّٰہ اور صحیح مسلم' کتاب الذکر والدعاء والتوبۃ والاستغفار' باب استحباب خفض الصوت بالذکر۔

(۱۰) سنن نسائی۔ امام نسائی نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔

بقیہ : توحیدِ عملی

﴿لِاَعْدِلَ بَیْنَکُمْ﴾ ان تمام امور کے پردے میں تا قیامِ قیامت اہل ایمان کے لئے رہنمائی اور ہدایت آئی ہے کہ ہمارے آخری رسول ﷺ کے اُمتی ہونے کی حیثیت سے اقامتِ دین' عدل و قسط پر مبنی نظامِ اجتماعی اور اجتماعی توحید کا قیام و نفاذ ہر مدّعیٔ ایمان پر لازم ہے' واجب ہے' فرض ہے۔ جو لوگ اللہ تعالیٰ کی توفیق سے اس کام کے لئے جدّ و جُہد کا بیڑا اٹھا لیں ان کو ان آیات سے مکمل رہنمائی حاصل ہو سکتی ہے۔ جس عظیم کام کے لئے اللہ کے رسول علیہم السلام مبعوث ہوتے رہے' ان کو بیّنات عطا ہوتی رہیں' ان کو کتبِ سماویہ اور شریعتِ الٰہیہ عطا ہوتی رہی کہ ﴿لِیَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ﴾ نبوت و رسالت کے آنحضور ﷺ پر اتمام و اکمال اور اختتام کے بعد اب یہ کام اُمّتِ مسلمہ کے ذمہ ہے۔ جو لوگ منہاجِ نبوت کے مطابق فریضہ اقامتِ دین کے لئے کمر کس لیں ان کے لئے اِن آیات میں تمام اصول عطا کر دیئے گئے ہیں۔

پیش گفتار

از قلم : ڈاکٹر ابو معاذ

"علامہ اقبال اور مسلمانانِ عجم" کے عنوان سے محترم ڈاکٹر ابو معاذ کا سلسلۂ مضامین میثاق کے صفحات میں جولائی ۱۹۹۷ء میں شائع ہونا شروع ہوا اور جنوری ۲۰۰۰ء کے شمارے میں پایۂ تکمیل کو پہنچا۔ اس سلسلۂ مضامین کو اب کتابی صورت میں شائع کیا جائے گا۔ اس کتاب کے لئے ڈاکٹر ابو معاذ صاحب نے ایک طویل "پیش گفتار" رقم فرمائی ہے' جو قارئین میثاق کے پیش خدمت ہے۔

یہ معروضات ان حقائق پر مشتمل ہیں جن کا ادراک راقم الحروف کو علامہ اقبال کے کلام کو سمجھنے کی کوشش کے دوران ہوا۔ آریائی اقوام کا ایک خاص مزاج اور نفسیاتی کیفیت ہے۔ ایشیائی آریائی اقوام کو ابتداء ہی سے یہ واضح احساس رہا ہے کہ وہ دیگر اقوامِ مشرق سے برتر ہیں۔ ان کے اسی احساس کے پیش نظر برصغیر میں اپنے قدم جمانے کے بعد اپنی نسل کو مقامی اقوام سے مکمل طور پر علیحدہ رکھنے کی کوشش نے ذات پات کی تقسیم پیدا کر کے برہمنیت کو مذہبی تقدس کے روپ میں پیش کیا اور مقامی غیر آریائی باشندوں کو انتہائی پست درجے تک پہنچا دیا۔ ان کی مظاہر فطرت سے دلچسپی اور عقیدت نے انہیں گنگا کے پانیوں کے تقدس اور ہمالہ کے مختلف مقامات کے احترام پر اکسایا۔ سورج' چاند اور ستاروں کی کیفیات کو مختلف مذہبی اور دینی احساسات میں سمویا' آگ کو مقدس سمجھا' بیاہ شادی ہو یا موت کی رسومات آگ کے الاؤ ان کا مرکز ٹھہرے' آگ کی سیوا کرنے والے برہمن کو ڈکشٹ کا لقب دیا۔ ان لوگوں نے دیومالائی نظام کا وہ نقشہ پیش کیا جس میں جذب ہو کر البیرونی کے "ماللھند" کے معروضات کی رو سے خود کو فکری اعتبار سے دنیا جہان سے منقطع کر لیا اور ہندوستان میں جنم لینے والی اور باہر سے درآمد ہونے والی تمام تحریکوں کو خود میں جذب کر کے ان کو مختلف تاویلوں کی زنجیروں میں جکڑ کر اپنا پابند بنا لیا۔ بدھ مذہب کا قلع قمع کر دیا' جین

تہذیب کا وجود مٹا دیا اور اسلام کو بتدریج ہندو مت میں جذب کرنے کی منظم، مسلسل اور سائنٹیفک کوشش کی۔ مگر اپنے فطری استحکام اور نظریاتی اساس کی بنیاد پر اسلام نے اس سرزمین میں خود کو بچانے میں کامیابی حاصل کرلی۔ ایران اور اس سے توابع (افغانستان، تاجکستان، آذربائیجان، ازبکستان اور ترکمانستان) میں ان لوگوں نے اپنی نو آبادیاں قائم کرنے کے بعد دنیا کی پہلی اور سب سے بڑی بادشاہت قائم کرلی۔ زراعت کا ایک نظام وضع کیا، ایک منظم سوسائٹی قائم کی، ایک تہذیب، کلچر، فرہنگ، مدنیت، جنگی تزویراتی نظام اور فکری برتری کا احساس پیدا کیا اور پھر یہ لوگ دُور دُور تک پھیل گئے۔ عدل و انصاف پر مبنی نظام، شعر و ادب، صنعت و حرفت اور نظم و نسق نے ان کی دھاک دنیا بھر پر بٹھادی۔ یہ لوگ زردشتی مذہب کی ابتدائی صورت کو اختیار کرنے کے بعد توحیدی نظام کی برکت سے مستفید ہوئے۔ ہرچند کہ بعد میں مذہب میں تحریف نے توحید کی جگہ ثنویاتی جدل (Dualistic Conflict) نے لے لی اور پھر یہ نظام اسلام کی آمد سے ذرا پہلے زوال کا شکار ہوگیا، مگر صدیوں کے فخر و مباہات نے انہیں دنیا بھر میں ممتاز (distinct) بنادیا۔

آنحضور ﷺ نے عرب و عجم کے امتیازات کا خاتمہ کردیا تو ایران اور اس سے توابع کی آریائی اقوام نے بہت ہی قلیل عرصہ میں اسلام قبول کرلیا۔ یہ لوگ اسلام کی قوت بن گئے۔ ایرانی دفاعی اور جارحانہ تزویراتی نظام اب اسلام کو ورثے میں مل گیا۔ جنگ خندق اور طائف کی فتح اس نظام کو اپنانے کی اعلیٰ ترین مثالیں ہیں۔ اسلام نے حکمت کو مؤمن کی میراث قرار دیا اور پھر اسی سرزمین سے غزالی، رازی، البیرونی، ابن سینا، رومی، سعدی، حافظ اور خاقانی جیسے مفکرین پیدا ہوئے جنہوں نے عجمیت کی حکمت کو اسلام کا تابع کردیا۔ ان کا مزاج اور سوچ عرب سوچ سے مختلف تھی اور یہی فکر عجم تھی اور پھر یہ اسلام کے مزاج کے ساتھ جب شیر و شکر ہوئی تو اسلامی امہ میں ایک خاص مزاج پیدا ہوگیا۔ بقول اقبالؔ ؎

عرب کے سوز میں سازِ عجم ہے　　حرم کا راز توحیدِ اُمم ہے
تہی وحدت سے تھے اندیشۂ غرب　　کہ تہذیبِ فرنگی بے حرم ہے

تاریخ کے مختلف مراحل میں شیطانِ بزرگ کے کارندوں نے بارہا عرب و عجم کے تعصبات کو ہوا دے کر وحدت کا پارہ پارہ کرنے کی کوشش کی مگر حرم سے محبت نے ان کو یکجا کئے رکھا اور کئے رکھے گا۔

ان صفحات میں راقم الحروف نے ایک ادنیٰ سی کوشش کی ہے کہ فکرِ عجم کے چہرے پر پڑی ہوئی گرد کو صاف کیا جا سکے اور اس کا صحیح چہرہ سامنے آ سکے۔ کہیں کہیں اس کے منفی پہلوؤں کو بھی اجاگر کیا گیا ہے مگر مثبت پہلوؤں پر توجہ مبذول کرائی گئی ہے۔ باہمی افتراق و انتشار کی بنیاد پر بحث کی گئی ہے اور یہ ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ ان کو ختم کیا جا سکے اور صحیح فکر کی جانب ایک رہنمائی فراہم کی جا سکے۔ وہ تمام اقوام جن کی فکری اساس ایک ہے وہ ایک غیر فطری isolation میں اپنی توانائیاں ضائع کر رہی ہیں۔ اگر ان کی فکری وحدت کا احساس پیدا ہو سکے تو پھر بقول اقبال ؏

خیمہ ہائے ما جدا منزل یکے است

یا پھر

نہ ایرانیم و نے ترک و تتاریم　　چمن زادیم و از یک شاخساریم
تمیزِ رنگ و بو بر ما حرام است　　کہ ما پروردۂ یک نو بہاریم

(نہ ہم ایرانی ہیں نہ تاتار کے ترک، چمن میں جنم لینے والے تمام مرغان سحر ایک ہی شاخسار کے مکین ہیں۔ ہم پر رنگ و نسل کی تمیز حرام ہے کیونکہ ہم ایک ہی نو بہار کے پروردہ ہیں۔)

یہی فکری وحدت بتدریج ملی وحدت میں ڈھل سکتی ہے۔ سید جمال الدین افغانی کی وحدتِ اسلامی کی کوشش اور اقبال کے نظریات ایک نہ ایک دن حقیقت کا روپ دھار سکتے ہیں۔ فکری احیاء (Renaissance) کی یہی سرزمین ہے۔ یہی "فکر عجم" ہمارا اثاثہ ہے اور یہی نکتہ اقبال کے جوانانِ عجم کے نام پیغام میں مضمر ہے جس میں آپ نے فرمایا ہے ؏

آتشے در سینہ دارم از نیاگانِ شما

(یعنی میرے دل میں آپ کے بزرگوں کی آگ کے الاؤ روشن ہیں۔)

اور اسی غزل میں کہا ہے کہ ؏

ساختم طرح حرم در کافرستانِ شما

(میں نے آپ کے کافرستان میں حرم کی بنیاد رکھ دی ہے)

اور یہ حرم وہی ہے جس کی بابت اقبال نے کہا ہے ؎

زمانہ کہنہ بتاں را ہزار بار آراست　　من از حرم نگذشتم کہ پختہ بنیاد است

(زمانے نے بار بار پرانے بتوں کو سجا کر بت کدوں کی رونق بحال کی۔ میں آج تک حرم سے باہر نہیں نکل سکا کیونکہ اس کی بنیاد بہت مضبوط ہے۔)

آج ہم عجم کے افکار کو اسلام کا تابع بنا کر سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کی طرح خود کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے گھرانے کے افراد بنا دیں اور تمام تعصبات سے بالاتر ہو کر اپنی تمام تر صلاحیتوں اور فکری استعداد کو اسی اعلیٰ و ارفع مقصد کا پابند بنا دیں۔

عجم کے افکار میں غیرت ہے اور اپنے نظریہ حیات اور مقصد کے دشمن سے کوئی اور رعایت نہیں ہے۔ عرب کے افکار میں عرب کے صحرا کی طرح کی وسعت ہے' دریا دلی ہے اور ترحّم کے جذبات ہیں۔ جنگِ خندق کے اگلے برس قحط اور بدحالی سے مجبور ہو کر مکّہ کا سردار ابو سفیان مدینہ منورہ کے لئے روانہ ہوا۔ صحیح مسلم شریف میں حضرت عیاض بن عمرو رضی اللہ عنہ کی روایت کے مطابق وہ مسجد نبوی میں پہنچا تو وہاں حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ درس دے رہے تھے اور ابو سفیان کو دیکھ کر (آپ کو جنگ خندق کا زمانہ یاد آتے ہی) آپؓ نے فرمایا کہ خدا جانے کب خدا کے دشمنوں کی گردن تک خدا کی تلوار پہنچ پائے گی۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ وہاں موجود تھے (اور آپؓ نے قریش کے سردار کی تذلیل دیکھتے ہوئے روایتی عرب مہمان نوازی اور اپنی وسعتِ قلبی کے باعث) یہ کہا کہ ابے سلمان (دیکھتا نہیں) کہ یہ بوڑھا قریش کا سردار ہے اور اس سے اس طرح تو پیش نہ آئیں! حضرت سلمان رضی اللہ عنہ کا غصہ ٹھنڈا نہیں ہوا۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے یہ ماجرا آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بیان کیا تو آپؐ نے فرمایا کہ تم نے اس شخص (سلمان رضی اللہ عنہ) کو ناراض کیا ہے جس کی ناراضگی کے باعث تم سے اللہ بھی ناراض ہو گیا ہے۔ چنانچہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ایماء پر حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے معافی مانگنا پڑی۔ حضرت سلمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا آپ تکلیف نہ فرمائیں' خداوند آپ پر اپنا کرم فرمائے۔

یہی عزت اور جرأت رندانہ ہے جو عجم کی نفسیاتی کیفیت (psyche) میں پنہاں ہے اور یہی مسلمانانِ عجم کو تحرک اور قیام کا درس دیتی ہے۔ باقی تفصیل آپ کو کسی حد تک اگلے صفحات میں مل جائے گا۔

باقیؔ ایں گفتہ آید بے گماں در دلِ ہر کس کہ دارد نورِ جاں

ابو معاذ عفی عنہ

ابتدائیہ

عجم کی سرزمین اہلِ عرب کے معیار سے گونگوں کا مسکن تھی جہاں کے لوگ گفتگو کے فن سے نابلد تھے۔ اس سے مراد فارسی زبان کے لوگوں کا وطن تھا جہاں کے لوگ عربی زبان بولنے اور سمجھنے سے عاری تھے۔ اس طرح یہ خطہ ان آریائی اقوام کا ملک تھا جو ایشیا میں آکر آباد ہوئے تھے۔ اس سے مراد ایران (فارس) ہی نہیں بلکہ وہ تمام علاقے تھے جو فارسی زبان کی کسی بھی بولی کا استعمال کرتے تھے۔ آج بھی انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا کے مطابق "پشتو" فارسی کی مشرقی بولی ہے۔ بلوچی زبان بھی فارسی ہی کی بولی ہے۔ قدیم سنسکرت اور قدیم فارسی (پہلوی) بھی ایک ہی زبان کی دو مختلف صورتیں تھیں۔ لیکن وادیٔ سندھ سے مشرق کی جانب ہندوستان کے علاقوں کی زبان مقامی زبانوں کے امتزاج کے باعث آہستہ آہستہ فارسی سے دُور ہٹتی چلی گئی۔ مگر گزشتہ دو سو برس کا زمانہ چھوڑ کر اگر ماضی قدیم پر نظر دوڑائی جائے تو تمام ہندوستان فارسی زبان کے زیرِ اثر رہا ہے۔ بادشاہ تو فارسی بولتے ہی تھے دربار کے جملہ امور اور فرامین بھی اسی زبان میں تھے۔ عوام بھی اسی زبان سے آشنا تھے' اسی لئے صوفیاء اور علماء کی تعلیمات' تحریریں اور کتب اسی زبان میں تھیں۔ حکیموں کے نسخے اور گھریلو حساب کتاب کے دفتر و طومار بھی اسی زبان میں تھے۔ اس طرح تمام ایران' افغانستان' موجودہ پاکستان' کشمیر' تاجکستان' ازبکستان' ترکمانستان' آذربائیجان' کرغزیا اور سنکیانگ کے چینی علاقے کو عجم ہی تصور کیا جاتا تھا جہاں پر فارسی زبان' تہذیب' ادب اور ثقافت کی گہری چھاپ تھی۔ اسلام سے پہلے یہ علاقے ایک بہت بڑی بادشاہت کا حصّہ تھے اور یہ شاہی نظام دنیا کا سب سے بڑا نظام تھا جس کی حدود کا دائرہ کار کبھی کبھی آرمینیا' جارجیا' ایشیائے کوچک' جزیرہ نمائے عرب' شام و فلسطین' مصر' قبرص اور بحیرۂ روم کے دیگر جزائر تک پھیلتا رہا اور وہاں سے سمٹتا رہا۔ یونانیوں کے جملہ مقبوضات کو روندتا ہوا داریوش اور اس کا لشکر ایتھنز تک جا پہنچا اور پھر اُس شکست کا انتقام لینے کے لئے سکندرِ اعظم عجم پر ایک طوفان کی صورت میں چھا گیا اور تمام عجمی

مفتوحات کو روندتا ہوا وادیٔ سندھ کی مشرقی حدود تک بڑھتا ہوا گنگا جمنا وادی کے علاقوں میں داخل ہوئے بغیر واپس لوٹ گیا۔ اسی زمانے کے ٹیکسلا کے کھنڈرات میں نمایاں کھنڈر آج بھی زردتشی مذہب کے، آتش کدے کا ہے۔ پھر یہ شہنشاہیت رومیوں سے برسرپیکار رہی اور یورپ کے رومیوں کو بار بار اپنے مقبوضات کے دفاع کے لئے سرگرم رہنا پڑا۔

عجم کی عظیم سلطنت کا اپنا مذہب تھا جو مجوسیت کی صورت میں اپنی تمام تر فکری عظمتوں کا آئینہ دار تھا۔ اس مذہب کا بانی زردتشت (زرتشت) تھا اور اس کا زمانہ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے قریب تر تھا۔ اس مذہب کا مرکز اہورامزدا (خدائے برتر) کی ہستی تھی جس کے دو پرتو تھے۔ یعنی یزدان (خدائے نیکی) اور اہرمن (خدائے بدی)۔ اس مذہب کے اہم ستون گفتارِ نیک، پندارِ نیک، کردارِ نیک اور رفتارِ نیک، (یعنی اچھی گفتگو، اچھی فکر، اچھا کردار اور اچھے اعمال) تھے۔ اس مذہب میں بت پرستی بالکل نہیں تھی حالانکہ سلطنت عجم کے مغرب میں عرب، یونان اور روم (عیسائیت قبول کرنے سے قبل) بت پرستی کے اہم مراکز تھے۔ اسی طرح مشرق میں گنگا جمنا کی وادی میں ہندوستانی آریائی قبائل بھی اس لعنت میں مبتلا تھے۔ اس مذہب کی اپنی عظیم کتاب "اوستا" تھی جو بارہ ہزار گائے کی کھالوں پر مرقوم تھی۔ اسے سکندر اعظم نے استخر کے مقام پر نذر آتش کر دیا تھا۔ دیگر مذہبی صحیفے ژند اور پاژند کی صورت میں موجود تھے۔ اس مذہب میں ثنویت یعنی Dualism کا پرچار کیا جاتا تھا، یعنی کائنات میں جدال اور جنگ جاری ہے، یعنی نیکی کی افواج بدی کی افواج سے برسرپیکار ہیں اور ازل سے ابد تک یزدان اور اہرمن کے، ابین جنگ جاری ہے۔ یزدان کی علامت نور اور گرمی ہے اور اہرمن کی علامت تاریکی اور سردی ہے اور اچھے لوگ یزدان کی صفات سے متصف ہیں، بقول رومی۔

کارِ مرداں روشنی و گرمی است
کارِ دوناں حیلہ و بے شرمی است

(یعنی مَردوں کا کام روشنی اور گرمی ہے اور رزیل لوگوں کا کام حیلہ اور بے شرمی ہے)

چونکہ روشنی و گرمی قابل احترام تھی اس لئے روشنی و گرمی کے تمام منابع بھی

محترم سمجھے جاتے تھے۔ اس تصور نے آفتاب یعنی سورج کے احترام (جو کہ پرستش کی حدوں کو چھو رہا تھا) کے نظریئے کو فروغ بخشا اور اسی مناسبت سے آگ کی تعظیم کی جانے لگی جو کہ رفتہ رفتہ آتش پرستی پر منتج ہوئی اور مجوسیوں کی عبادت گاہیں بتدریج آتش کدوں کا روپ دھارنے لگیں۔ دیگر اقوام نے انہیں آتش پرست قرار دیا جبکہ قرآن نے انہیں مجوسی قرار دیا۔ آگ کا احترام کسی نہ کسی طرح دوسری آریائی اقوام مثلاً کافرستان کے کافروں اور ہندوؤں میں بھی نظر آنے لگا۔ لیکن آتش پرستوں سے مراد اہل عجم بھی لئے جانے لگے۔ اہل عجم کا چونکہ سیاسی مرکز فارس (ایران کا جنوب مغربی علاقہ جو عراق سے متصل ہے اور عراق کا نصف مشرقی حصہ) میں تھا اس لئے اہل عجم کو غلطی سے فارسی یا Persian کہا جانے لگا اور ان کی تہذیب کو بھی فرہنگِ فارس (Persian Civlization) کہا جانے لگا۔

یہ تہذیب بتدریج ترقی کے مراحل طے کرتی ہوئی دنیا کی عظیم تہذیب کا روپ دھار گئی اور اس کا دبدبہ مشرق و مغرب پر طاری ہو گیا۔ اس کے عظیم بادشاہ اساطیری شخصیات کا روپ دھار گئے۔ کوروش اعظم کا ذکر تو عہد نامۂ جدید (انجیل) میں بھی انتہائی اچھے الفاظ میں آیا ہے اور مولانا ابوالکلام آزاد اور کچھ دوسرے دانشوروں کی رائے میں اس شخصیت کا دوسرا نام ذوالقرنین تھا جس کا ذکر قرآن پاک میں آیا ہے۔ یہ بادشاہ آج سے ڈھائی ہزار سال قبل ایران کا وہ عظیم فرمانروا تھا جس نے عدل و انصاف پر مبنی سیاسی نظام کی داغ بیل ڈالی اور بابل کے استعماری حکمرانوں کو شکست فاش سے دوچار کر کے ان کے ہاں ستر برسوں سے مقید یہودیوں کو رہا کروا کے انہیں بیت المقدس اور سرزمین فلسطین میں از سرنو آباد کروایا۔ بیت المقدس کی تعمیر نو کے جملہ اخراجات بھی خود برداشت کئے۔ یہ بادشاہ بھی قرائن کی رو سے مجوسی تھا اور ان دنوں مجوسیت میں توحید کے جملہ پہلو اور نیکی کا درس مکمل طور پر موجود تھا' تو کیا وہ دین دین برحق تھا؟ یہ سوال علامہ اقبال نے زردشت کے دین کی بابت کیا ہے' مگر اس کا واضح جواب کسی کے پاس نہیں' تو کیا اوستا اور ژندوپاژند کی ابتدائی حالتیں الہامی تھیں؟ یہ سوال اگرچہ جواب طلب ہے مگر اہم ضرور ہے' تو کیا یہ لوگ اہل کتاب تھے یا کافر تھے؟

اتنا ضرور ہے کہ یہ لوگ حکمرانی کے اعلیٰ وارفع اصولوں سے باخبر تھے اور ان کا نظام

بڑی حد تک عدل و انصاف پر مبنی تھا۔ آج بھی حکمت آموز حکایات جو ہمیں سعدی کی گلستان و بوستان' نظامی کی خمسہ اور فردوسی کے شاہنامہ میں ملتی ہیں ان کے مرکزی کردار شاہانِ عجم یعنی خسرو نوشیروان' اردشیر' بہرام گور اور قباد وغیرہ تھے اور ان میں دارا 'خسرو کیقباد اور جمشید کا تذکرہ بھی ملتا ہے۔ کچھ تو ضرور تھا جس کے باعث یہ لوگ اتنے بڑے نظام کو احسن طریقے سے چلا رہے تھے۔ شہنشاہ کی مرکزی شخصیت اس قدر لائق احترام ہوتی چلی گئی کہ بتدریج اس میں الوہی خوبیاں بھی بیان ہونے لگیں اور شہنشاہ کو خدائے بزرگ و برتر کا پرتو (ظل اللّٰہ فی الارض) سمجھا جانے لگا۔ یہ عقیدہ رومیوں نے بھی اپنالیا اور شاہِ برطانیہ کی شخصیت تک جا پہنچا۔ تمام مسلمان سلاطین اور بادشاہوں نے بھی "ظل اللّٰہ فی الارض" کا لقب اختیار کر لیا۔ شاہی خون اور خاندانی نجابت کے نظریات اس قدر پختہ ہو گئے کہ ایک خاندان کے علاوہ کسی دوسرے خاندان کے فرد کی بادشاہت کو ناممکن سمجھا جانے لگا۔ اسی طرح شہنشاہ کی ذات دین و دنیا کا مرکز بن کر رہ گئی۔ رعایا کا کام اس شاہ کی اطاعت تھی اور شاہ کے ادنیٰ خدمت گزار (His Majesty's humble servants) کا نظریہ فروغ پانے لگا۔

اس نظام میں معاشی پہلو' زمین کا نظم و نسق' سماجی نظام اور جنگی فنون و تدویر (Strategy) پر بھی سخت توجہ دی گئی۔ اسی طرح دفتری نظام (Beurocracy) کا ڈھانچہ بھی وجود میں آگیا۔ معاشی خوشحالی نے فنونِ لطیفہ کو فروغ دیا۔ ذہنی فراغت نے تفکر کی راہیں کھول دیں اور منطق و استدلال اور فلسفہ کی بحث سے اہم مراکز گونج اٹھے۔ فن تعمیر کی علامات آج دجلہ کے کنارے مدائن کے کھنڈرات میں ایوانِ خسرو کی صورت میں نظر آ رہی ہیں یا پھر قصر شیرین اور پرسی پولیس کے مقامات پر آج اسی طرز تعمیر پر مبنی مساجد' خانقاہوں اور مدرسوں کی عمارات (خصوصاً وسطی ایشیاء میں) نظر آتی ہیں۔

عام لوگوں میں دین زرتشت نے ایک ٹھہراؤ اور وقار پیدا کر دیا تھا' زندگی کا ایک مقصد اُن کے سامنے اجاگر کر دیا تھا' وہ حسب توفیق بدی کی طاقتوں سے نبرد آزما ہو کر اہرمن کو شکست و ہزیمت سے دوچار کرنے میں مگن تھے۔ علامہ اقبال اہرمن کے زرتشت سے خطاب کو جاوید نامہ میں یوں بیان فرماتے ہیں۔

از تو مخلوقاتِ من نالاں چو نے از تو مارا فرو دیں مانند دے

در جہاں خوار و زبونم کردۂ نقشِ خود رنگیں ز خونم کردۂ
زندہ حق از جلوۂ سینائے تست مرگِ من اندر یدِ بیضائے تست

(تیری وجہ سے میری تمام مخلوقات یعنی افواج نوحہ و ماتم کرتے کرتے بنسری کی طرح ہم آواز ہو چکی ہیں' ہماری بہاریں ٹھہر رہی ہیں۔ تیرے دین نے اس جہاں میں مجھے ذلیل و خوار کر کے رکھ دیا ہے اور تُو نے میرے خون سے اپنے نقوش کو رنگ اور آب و تاب عطا کر دی ہے۔ یزدان تیرے کوہِ طور کے روشن جلوؤں کے باعث زندہ ہو گیا ہے اور تیرے یدِ بیضا کے کرشمے میں میری موت کا پیغام موجود ہے۔)

لیکن یہ نظام بھی بتدریج انحطاط پذیر ہونے لگا۔ مذہب کے مغ (پروہت) لالچ اور دنیاوی جاہ و جلال کے تعاقب میں گم ہو گئے۔ آفتاب' آتش' شاہ کی ذات اور دیگر علامات کی پرستش کی جانے لگی۔ توحید پہلے ثنویت کی نذر ہوئی' اب شرک کی علامات نمودار ہونے لگیں۔ انصاف کی جگہ استحصال نے لے لی۔ دنیاوی جاہ و جلال اور حرص و آز کے ردِّ عمل کے طور پر مانی نے اپنے صوفیانہ خیالات اور ترکِ دنیا کے نظریات کو فروغ دیا' مگر تیسری صدی عیسوی میں وہ تختۂ دار پر چڑھ گیا۔ پھر استحصال کے خلاف مزدک نے اپنے اشتراکیت پر مبنی مذہب کی تبلیغ کی مگر وہ بھی اپنے ہزاروں ساتھیوں سمیت شہزادۂ خسرو (جو بعد میں نوشیروان عادل کے نام سے شہنشاہ بنا) کی فوجوں کے ہاتھوں تہہ تیغ ہو گیا۔ دین مزدیسنی (مجوسیت) کا احیاء کیا گیا مگر اب یہ مذہب فلسفیانہ موشگافیوں کا شکار ہو گیا۔ بادشاہ کاہل ہونے لگے' وہ میدانِ جنگ کی بساط کے بجائے شطرنج کی چالوں میں منہمک ہونے لگے۔

ابھی بھی کچھ ادارے بچے ہوئے تھے' مغربی ایران میں جندی شاپور کی عظیم یونیورسٹی موجود تھی جس کے فارغ التحصیل لوگ ابھی تک طائف اور حدودِ حجاز میں پائے جاتے تھے۔ زرتشتی مجوسیوں کی مختصر جماعت مکہ کے قریب صحرائے عرب میں قیام پذیر تھی۔ بحرین ایرانیوں کا صوبہ تھا' یمن میں ایران کا گورنر موجود تھا' بلکہ وہاں کا وائسرائے ہمیشہ شاہی خاندان کا ایک اہم شہزادہ ہوا کرتا تھا۔ عرب ایرانیوں سے فکری' تہذیبی' سیاسی' مذہبی' جنگی اور معاشی غلبے کے باعث مرعوب تھے۔ رومیوں کے مقابلہ

میں بُت پرست عرب ایرانیوں کے وفادار تھے۔ یہ وہ زمانہ تھا جب رومی سلطنت نے عیسائیت اختیار کرلی تھی۔ عیسائی راہب ایران میں تبلیغ کے لئے سرگرم عمل تھے۔ عیسائی عورتیں خسرو نوشیروان اور خسرو پرویز کے حرم میں موجود تھیں اور اپنے اپنے مذہب پر کاربند تھیں۔ ایرانیوں کا یہودیوں سے گٹھ جوڑ ہمیشہ سے تھا اور یہود کی ایک بڑی تعداد ایران میں کاروبار میں منہمک تھی۔ جب بھی ایرانی بیت المقدس پر حملے کا سوچتے یہودی ایرانی فوج میں شامل ہو کر عیسائیت کی بیخ کنی کا عہد کیا کرتے۔ خسرو پرویز کے زمانے میں بیت المقدس پر حملے کے وقت پچیس ہزار یہودی ایرانی فوج میں موجود تھے۔

جیسا کہ عرض کیا گیا ابتداء میں عیسائی راہب ایران میں آزادانہ گھومتے پھرتے تھے مگر رومیوں کے عیسائیوں کو سرکاری مذہب کا درجہ دینے کے باعث ایران میں عیسائیت پر پابندی عائد کردی گئی تھی۔ اب عیسائی راہب ایران سے غائب ہو رہے تھے اور اسی طرح کے ایک قافلے کے ساتھ رام ہرمز کا ایک نوجوان روزبہ مہیار بھی ایران چھوڑ کر شام کی جانب روانہ ہوگیا۔ روزبہ ایک معزز کسان گھرانے کا فرد تھا جس نے جنگ و حرب کا فن بھی سیکھا ہوا تھا اور آتش کدوں میں بیٹھ کر ژند و پاژند اور اوستا کی تعلیم بھی حاصل کی تھی۔ روزبہ کا باپ بہت بڑا زمیندار اور شاہ کا وفادار تھا اور اس کے تمام جاہ و جلال کا دارومدار شاہ کی وفاداری اور زرتشتی مذہب پر عمل پیرا ہونے میں تھا' مگر روزبہ اپنے بوڑھے باپ سے ہمیشہ زرتشتی عقائد میں ابھرنے والی خامیوں پر اعتراض کیا کرتا اور عیسائیت کی حقانیت پر استدلال کرتا۔ باپ سے تعلقات کی کشیدگی پیدا ہوئی تو روزبہ مہیار نے محسوس کیا کہ اب ایران کی سرزمین اس پر تنگ ہو چکی ہے۔ چنانچہ وہ عیسائیوں کے کارواں کے ساتھ وہاں سے دُور چلا گیا۔ اس کی قسمت میں سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کے نام سے عجم کے شاہوں کے زوال کے بعد اسلام کا پہلا وائسرائے بن کر ایران میں واپس آنا لکھا تھا۔ آج مدائن میں ایوانِ کسریٰ کے قریب آپ رضی اللہ عنہ کی قبر اُس اجڑے دیار میں ایسی علامت ہے جو بقول اقبال ؎

آں مسلماناں کہ میری کردہ اند　　در شہنشاہی فقیری کردہ اند
در امارت فقر را افزودہ اند　　مثل سلماں در مدائن بودہ اند

(وہ مسلمان جنہوں نے حکومت کی ہے' انہوں نے شہنشاہوں کے دیار میں فقیری

کی بنیاد رکھ دی ہے' انہوں نے حکمرانی میں فقیری کا اضافہ کر دیا ہے' یعنی جہانداری کو حق کا تابع کر دیا ہے۔ اگر دیکھنا ہو تو دیکھ لو جس طرح مدائن میں سلمان رضی اللہ عنہ ہوا کرتے تھے۔)

یہ انحطاط پذیر سلطنت اندر سے کھوکھلی ہو چکی تھی۔ باہر سے رومیوں کا دباؤ اس پر بڑھتا چلا جا رہا تھا۔ سورۃ الروم کی پیشین گوئی پوری ہو رہی تھی۔ ہر طرف ہُو کا عالم تھا۔ ایک سکوت تھا' ایک جمود تھا۔ ذہن تاریکیوں میں ڈوب رہے تھے۔ مایوسی کا دَور دَورہ تھا۔ اب دین مجوسی حالات کے چیلنج کو قبول کرنے سے عاری ہو چکا تھا۔ بظاہر ایک ملک' ایک قوم اور ایک تہذیب کے ساتھ موجود تھا مگر وہ اپنا وقت گزار کر ضعفِ پیری میں مبتلا تھا۔ حضرتِ اقبال نے انتہائی خوبصورت الفاظ میں یہ نقشہ کچھ اس طرح کھینچا ہے ؎

پیریٔ ایراں زمانِ یزدگرد — چہرۂ او بے فروغ از خونِ سرد
دین و آئین و نظامِ او کہن — شید و تارِ صبح و شامِ او کہن
موجِ مے در شیشۂ تاکش نبود — یک شرر در تودۂ خاکش نبود

(یزدگرد کے زمانے تک پہنچتے پہنچتے ایران بوڑھا ہو چکا تھا اور اس کا خون رگوں میں جم چکا تھا۔ اس طرح اس کے چہرے کا نور اور جلوہ چھن چکا تھا۔ اس کا دین' اس کا آئین اور اس کا نظام فرسودہ ہو چکے تھے۔ اس کے صبح و شام کے خورشید اور ظلمات سب کچھ پرانے ہو چکے تھے' اس کے انگوروں کی بیلوں میں شراب کی کوئی لہر باقی نہیں تھی' وہ ایک راکھ کا تودہ تھا جس کی تہہ میں ایک بھی چنگاری باقی نہیں تھی۔)

لیکن خدا کو کچھ اور ہی منظور تھا۔ خسرو پرویز کے زمانہ میں اسلام کا آغاز ہو چکا تھا۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم مکہ سے مدینہ منورہ ہجرت فرما چکے تھے۔ آپؐ کی نگاہیں دنیا کے طول و عرض کا احاطہ کر رہی تھیں۔ صلح حدیبیہ سے فارغ ہو کر آپؐ نے سوچا کہ کیوں نہ عجم کی عظیم سلطنت کو اسلام میں سمو کر اُس کے تمام تر فکری اور تہذیبی ورثہ کو مشرف بہ اسلام کر لیا جائے اور پھر اس قوم سے ایک کام لیا جائے کہ وہ اسلام کی عظیم وارث بن جائے۔ یہ سلطنت ایران کی نہیں عجم کی وہ عظیم سرزمین تھی جو وادیٔ سندھ سے سنکیانگ اور ازبکستان سے آذربائیجان تک پھیلی ہوئی تھی۔ آپ نے اس کے فرمانروا کو واضح الفاظ

میں لکھا :

((اَسْلِمْ تَسْلِمْ فَاِنْ تَوَلَّیْتَ فَاِنَّ اِثْمَ الْمَجُوْسِ عَلَیْكَ))

"اسلام قبول کر لے اور سلامتی میں آجا (یعنی اس تباہی و بربادی کے چنگل سے آزاد ہو جا) اگر تُو نے اب بھی انکار کیا تو پھر تمام زردشتیوں کے گناہوں' غلطیوں' زیادتیوں اور کمزوریوں کی نحوست تمہیں (مع تمہاری بادشاہت کے) نگل لے گی"۔

مگر بدبختی خسرو پرویز کا مقدر ٹھہر چکی تھی۔ اس نے نامۂ مبارک کو پھاڑ کر اپنی تباہی کا دیباچہ لکھ دیا۔ آنحضور ﷺ کو عجم کی عظیم سلطنت کی تباہی نظر آنے لگی۔ آپؐ نے فرمایا :

((ھَلَکَ کسریٰ و لا کسریٰ بعدَہ))

"(مجھے نظر آگیا ہے) کہ خسرو ہلاک ہو گیا اور اب کوئی خسرو جنم نہیں لے گا"۔

مگر اس تہذیب کے کچھ ورثاء خوش قسمت بھی تھے۔ روزبہ مہیار (سلمان) رضی اللہ عنہ مدینہ میں حضور ﷺ کی جنگی تدابیر و تزویرات کے مشیر کی صورت میں جنگ خندق کی تزویراتی صورت گری کر چکے تھے۔ بحرین کے ایرانی حکمران اسلام قبول کر کے وہاں مسجد آباد کر چکے تھے۔ یمن کے ایرانی شاہی خاندان کے شہزادے اسلام کی دولت سے مالا مال ہو چکے تھے۔ یوں محسوس ہو رہا تھا کہ ایران کی شہنشاہت کا انقراض ایک تقدیر مبرم ہے' مگر وہاں کا فکری' ثقافتی' جنگی' معاشی اور سماجی اثاثہ اسلام کو منتقل ہونے والا تھا۔ ہر وہ فکری چیز جو اسلام کی روح سے متصادم تھی' اسے چھوڑ دیا گیا تھا اور باقی کو اسلام میں سمو لیا گیا۔ اس کی مثال سلمان فارسیؓ کے اصحابِ صُفّہ کو وہ لیکچر تھے جو منافقوں کی بے چینی کا باعث بن رہے تھے۔ اسی ورثہ کو اسلام میں سمونے کی سب سے بڑی مثال آنحضور ﷺ کا سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کو اپنے اہل بیت میں شمار کرنا تھا۔ اب وہ تہذیب اسلام کے رنگ میں رنگ کر نیا جنم لے رہی تھی اور وہ تھی "فکرِ عجم" جو اسلامی فکر عجم تھی' جس کے بعد کے علمبردار رازی' غزالی' فارابی' رومی' سعدی شیرازی اور حضرتِ اقبال تھے۔ جب سورۃ الجمعہ کی یہ آیات نازل ہوئیں :

﴿ هُوَ الَّذِیْ بَعَثَ فِی الْاُمِّیّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِهٖ وَیُزَكِّیْهِمْ

وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ۗ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝
وَّاٰخَرِيْنَ مِنْهُمْ لَمَّا يَلْحَقُوْا بِهِمْ ۗ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝ ﴾

"وہی ذات پاک ہے جس نے غیر تعلیم یافتہ لوگوں میں اپنا رسول بھیجا ہے جو اُن پر اس کی آیات کی تلاوت کر کے سناتا ہے' انہیں پاک کرتا ہے اور انہیں کتاب اور دانائی کے اسرار و رموز سکھاتا ہے۔ وہ لوگ اس سے پہلے واضح طور پر گمراہی میں مبتلا تھے۔ بعد کے زمانے کے لوگوں (پر بھی وہی رسول نازل ہوا ہے) جو اُن سے ابھی مل نہیں پائے۔ اور وہ غالب بھی ہے اور دانا بھی"۔

آنحضور ﷺ سے جب "لَمَّا يَلْحَقُوْا" کی بابت پوچھا گیا تو آپؐ نے حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر فرمایا کہ یہ اور اس کی قوم' اور اس کی قوم کا ایک شخص حق کو ثریا سے بھی اتار لائے گا۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ قوم جس کی فکری اور تہذیبی روایات انتہائی مستحکم اور قدیم تھیں اس کے افراد نے جب اسلام کو قبول کر لیا تو انہوں نے اسلام کی حقانیت کو دنیا پر آشکار کر کے احیائے اسلام کی بنیاد رکھ دی۔

آنحضور ﷺ کی رحلت کے دس برس کے عرصہ میں یہ سلطنت اختتام پذیر ہو گئی اور پھر یہ نظام ایک نئے روپ میں سامنے آگیا۔ علامہ اقبال نے اس کو انتہائی خوبصورت الفاظ میں یوں بیان فرمایا ہے ؎

تا ز صحرائے رسیدش محشرے — آں کہ داد او را حیاتِ دیگرے
ایں چنیں حشر از عنایاتِ خدا ست — پارس باقی رومتہ الکبریٰ کجاست؟
آنکہ رفت از پیکر او جانِ پاک — بے قیامت بر نمی آید ز خاک
مردِ صحرائی بہ ایراں جاں دمید — باز سوئے ریگ زارِ خود رمید
کہنہ را از لوحِ مابسترد و رفت — برگ و سازِ عصر نو آورد و رفت

(پھر ایک وہ وقت بھی آن پہنچا جب صحرائے عرب سے ایک محشر برپا ہوتے ہوئے ایران پر چھا گیا۔ اس نے ایران کو ایک نئی زندگی عطا کر دی۔ اس طرح کی قیامت کا برپا ہونا بھی اللہ کی عنایت ہی تھی کیونکہ فارس اب بھی باقی ہے مگر رومتہ الکبریٰ کہاں نظر آرہا ہے؟ جس جسم سے روح ایک بار نکل جائے تو قیامت برپا ہوئے بغیر اس میں کب زندگی واپس لوٹتی ہے۔ مردِ صحرائی (مسلمان فاتحین) نے

ایران میں جان ڈال دی مگر وہ پھر اپنے ریگ زار کو واپس لوٹ گیا۔ ہماری تختی سے قدیم نشانات مٹا گیا اور ایک نئے دَور کا ساز و سامان عطا کر گیا۔)

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کو ایران کا گورنر مقرر کیا۔ آپؓ کی حکمت عملی کے باعث انتہائی مختصر عرصہ میں پوری قوم نے اسلام قبول کر لیا اور چند مذہبی گروہ آپ سے اجازت لے کر کشتیوں کے ذریعے ہندوستان کے ساحل کو روانہ ہو گئے۔ اس لئے بمبئی اور کراچی میں پارسیوں کی مختصر آبادیاں ابھی تک موجود ہیں۔

آخری ساسانی بادشاہ یزدگرد کی بڑی بیٹی حضرت شہربانو رضی اللہ عنہا حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے عقد میں آئیں اور یہاں پر شاہی خاندان اور خاندان نبوی کا اتصال ہو گیا۔ ایرانیوں کے دل میں شاہی خاندان کا جو احترام موجود تھا وہ قبولیت اسلام کے بعد اس خاندان سے عقیدت میں ڈھل گیا۔ بعد ازاں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنا دارالخلافہ مدینہ منورہ سے کوفہ میں منتقل کیا تو کوفہ ایرانی علاقے میں موجود اسلامی فوج کی نو تشکیل شدہ چھاؤنی تھی اور اس کے اردگرد ایرانی قبائل آباد تھے۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا دارالخلافہ دمشق میں تھا اور دمشق گزشتہ دَور میں رومی سلطنت کا شہر تھا۔ اس کے گردوپیش میں وہ لوگ آباد تھے جو صدیوں سے رومیوں کے اطاعت گزار رہے تھے۔ اس طرح باہمی تصادم کی صورت میں گزشتہ ادوار کے رومی اور عجمی جذبات کے اثرات دوبارہ اپنا رنگ جمانے لگے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شہادت اور حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کی دستبرداری کے بعد کے ایام میں دمشق کی حکومت یزید کو مل گئی جبکہ کوفہ کے لوگوں نے حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی اطاعت کا دم بھرنا شروع کر دیا۔ شومئی قسمت سے حضرت امام حسینؓ کی شہادت کا المناک واقعہ پیش آیا، مگر کوفہ کے گردونواح کے لوگوں کی محبت کا مظاہرہ مختار بن ابوعبید ثقفی کی تحریک کی صورت میں ہوا۔ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے فرزند حضرت امام زین العابدین رحمۃ اللہ علیہ حضرت شہربانوؓ کے بطن سے تھے۔ اس طرح آپ کی رگوں میں دونوں خاندانوں (خاندانِ علی رضی اللہ عنہ اور خاندانی ساسانی) کا خون دوڑ رہا تھا۔ یہ چیز اہل عجم کی توجہ کا مرکز بن گئی اور اب آپ کے ورثاء کو انتہائی تقدس کا درجہ حاصل ہو گیا۔ یہ لوگ اثنا عشری سلسلہ کے امام کہلائے مگر ان ائمہ کا احترام عجم کے سُنّی لوگ بھی کرتے تھے۔ حضرت امام ابو حنیفہؒ کا حضرت امام باقرؒ سے فکری مکالمہ اور حضرت جعفر صادقؒ کی

شاگردی اس امر کا ثبوت ہیں۔ سادات کا احترام تمام ممالک عجم کا خاصہ رہا ہے۔

عجم کی فکری تجدید کے علاوہ علمی اعتبار سے اہل عجم نے زبردست کارنامے سرانجام دیئے۔ امام ابو حنیفہ بھی فارسی گو تھے۔ اسی طرح صحاحِ ستہ کے ائمہ اور صوفیاء کے سلسلے بھی عجم سے وابستہ تھے۔ برصغیر کے سادات کے خاندانوں کے ساتھ شیرازی، کرمانی، تبریزی، ہمدانی اور بخاری کے لاحقے بھی تقدس کی علامت بننے لگے۔

ابتدائی دور کے سنیوں نے بھی ائمہ اثنا عشری کا احترام ملحوظ خاطر رکھا تو اہل تشیع نے بھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا احترام ملحوظِ خاطر رکھا۔ شاہنامہ کا مؤلف استاد ابو القاسم فردوسی طوسی (جسے وفات پائے ایک ہزار برس گزر چکے ہیں) کے بارے میں تمام تر روایات یہی ہیں کہ وہ شیعہ تھا، حتیٰ کہ چہار مقالہ کے مؤلف نظامی عروضی سمرقندی نے یہاں تک لکھا ہے کہ اس کے عقائد کے باعث اسے سنیوں کے قبرستان میں دفن نہیں کیا گیا تھا اور اسے اپنے باغ میں قبر نصیب ہوئی تھی۔ شاہنامہ کے دیباچہ میں وہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم اور اصحاب کرام کا ذکر بہت اچھے الفاظ میں کرتا ہے، تاہم حضرت علیؓ کا ذکر وہ باقی اصحاب کی نسبت زیادہ طمطراق سے کرتا ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں شاہنامہ کے درج ذیل اشعار ملاحظہ ہوں:

چہ گفت آں خداوندِ تنزیل و وحی — خداوندِ امر و خداوندِ نہی
کہ خورشید بعد از رسولان مہ — نتابید ہر کس ز بوبکر بہ
عمر کرد اسلام را آشکار — بیارا ست گیتی چو باغِ بہار
پس از ہر دواں بود عثماں گزیں — خداوند شرح و خداوند دیں
چہارم علی بود جفتِ بتول — کہ او را بخوبی ستاید رسول

(آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم یعنی صاحب تنزیل وحی اور صاحب امر و نہی نے یوں فرمایا ہے کہ چشم آفتاب نے انبیاء علیہم السلام کے بعد اگر کسی اور چہرے کو روشنی بخشی ہے تو وہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی ذات گرامی ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں اسلام کی حقانیت واضح ہوئی اور آپؓ کی فتوحات نے دنیا کو باغِ بہار کر دیا۔ ان دونوں کے بعد منتخب ذات حضرتِ عثمان رضی اللہ عنہ کی ہے جو حیاء کا پیکر تھے اور دین کے محافظ۔ چوتھے نمبر پر حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے شوہر حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ذکر ہے جن کی خوبیوں کے باعث آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی آپؓ کی تعریف کی ہے۔)

(جاری ہے)

قیامِ اسرائیل اور نیو ورلڈ آرڈر

معروف سعودی دانشور ڈاکٹر سفر الحوالی کی تہلکہ خیز کتاب کی سلسلہ وار اشاعت ـــــ قسط ششم

مذموم مقاصد

اس کے بعد ایک پہلو بچ جاتا ہے جسے سمجھنا ضروری ہے۔ اس پہلو کا دو طرح سے جائزہ لینا ہے۔ موجودہ کانفرنس جسے امن کانفرنس سے موسوم کیا جا رہا ہے' اس سے کن نتائج کی توقع کی جا سکتی ہے؟ اور اسی سے دوسرا سوال پیدا ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سچے عہد سے پھر کر جھوٹے عہد پر ایمان لانے سے اس خطۂ ارضی سے کیا مقاصد حاصل کرنا درکار ہیں؟

عزیز بھائیو! یہ مقاصد بے شمار اور نہایت اہم ہیں۔ میری گزارش ہے کہ کہیں ہم وقتی اور غیر اہم چیزوں میں پھنس کر دور رس نتائج کے حامل اہداف کو بھول نہ جائیں۔ میں یہ بھی کہنا چاہوں گا کہ میری باتوں سے یہ نہ سمجھ لیا جائے کہ میں تمام مقاصد تک پہنچ گیا ہوں۔ جن مقاصد کو مَیں اُن کے بیانات سے اور کتابوں سے سمجھ سکا ہوں ان کی حیثیت رہنما اشاروں جیسی ہے اور غور و فکر اور مزید مطالعے سے نیز باہمی ربط سے مزید مقاصد تک بھی پہنچا جا سکتا ہے۔

① پہلا ہدف مقبوضہ فلسطینی علاقوں میں جو تحریک جہاد جاری ہے جسے انتفاضہ کہتے ہیں' اس کا خاتمہ کرنا ہے۔ امن سمجھوتے کے بعد اُن کی حیثیت دشمن سے اپنے مقبوضہ علاقے چھڑانے والے دفاعی مجاہدین سے یک مشت بدل کر اپنے ہی ملک کے خلاف بغاوت کرنے والے سرکشوں کی سی بن جائے گی جس کے بعد اُن سرفروشوں کے خلاف کسی قسم کی کارروائی کرنے کے لئے کوئی رکاوٹ باقی نہ رہے گی۔ اور بین الاقوامی

قانون کی رو سے ہر ملک کو اپنے باغیوں کی سرکوبی کا حق حاصل ہے۔ اہم ترین اہداف میں سے ایک یہ ہدف ہے' کیونکہ اسرائیل سب سے زیادہ ان مجاہدین سے خوف زدہ ہے۔ عرب ممالک مسئلہ فلسطین اور تحریک انتفاضہ سے کب کے لاتعلق ہو چکے ہیں اور اسرائیل اس طرف سے پوری طرح مطمئن ہے کہ عرب ممالک اس پر حملہ آور ہونے کی جرأت کریں' البتہ خطرہ اُس پُرجوش بیدار مغز مزاحمت سے ہے جو مقبوضہ علاقوں سے اٹھ رہی ہے۔ یہ پہلا ہدف ہے۔

② اس امن سمجھوتے کا دوسرا اہم مقصد دعوتِ اسلامی کا راستہ تنگ کرنا ہے۔ یہ مقصد فریقین یعنی یہود و عرب کے مابین طے پایا ہے۔ یہ لوگ دعوت کے کام کو ہر جگہ ٹھپ کرنا چاہتے ہیں۔ اور اس بات کو نظرانداز نہیں کیا جا سکتا کہ اس مقصد کے حصول کے لئے مراکش سے انڈونیشیا تک تشدد کی راہ اپنائی جائے' جیسا کہ صدر نکسن نے مشورہ دیا ہے۔

③ تیسرا ہدف عرب ممالک کی فوجی قوت کو ختم کرنا ہے' کیونکہ ان ممالک نے اسرائیل کو گھیر رکھا ہے۔ اگرچہ ان ممالک سے اسرائیل کو خاص خطرہ نہیں' عراق پہلے ہی تباہ کیا جا چکا ہے' دوسرے مرحلے میں شام کی فوجی قوت ختم کی جائے گی۔ اس لئے نہیں کہ حافظ الاسد یا اس کی پارٹی "حزبِ بعث" سے کسی قسم کا کوئی خطرہ ہے' بغداد کی بعث پارٹی اسرائیل کا کیا بگاڑ سکی ہے' لیکن شام چونکہ فوجی لحاظ سے قدرے مضبوط ہے اور اس کی جنگی صلاحیت اور تجربہ بھی ہے جو ایسی صورت میں یہودیوں پر کسی حد تک مصیبت لا سکتا ہے کہ حکومت جہاد کے نتیجہ میں اسلام پسندوں کے ہاتھ آ جائے اور فوج کا ایک بڑا حصہ اُن کا حامی بن جائے۔ شام کی فوج نے چند جنگیں لڑ کر تجربہ حاصل کیا ہوا ہے' جیسے کہ جنگِ لبنان' اس لئے حفظِ ماتقدم کے طور پر شامی فوج کا خاتمہ ضروری ہے۔ اگرچہ شام کی فوج قوم پرست ہے لیکن پھر بھی اسے غیر مسلح کرنا ضروری سمجھا جا رہا ہے۔ اور پھر بعثی اپنا سر پیٹیں گے کہ کاش ہم یہ دن دیکھنے سے پہلے مر چکے ہوتے۔

④ چوتھا ہدف ہے پورے علاقوں کو عسکری لحاظ سے یہودی عملداری کے تابع فرمان کرنا اور علاقے کے دفاع کے لئے امریکہ کی ضمانت دینا' نیز علاقے کی تمام فوجی

طاقتوں میں اضافے کو روکنا' جبکہ موجودہ فوج کا مقصد ویسے ہی اندرونی امن وامان قائم رکھنے سے زیادہ کچھ نہیں۔ اس لئے کہ نیو ورلڈ آرڈر کی موجودگی میں فوجی اضافے کی بھلا کیا ضرورت رہ جاتی ہے۔ کیا صدّام کی طرح تم بھی اپنی فوج کا غیر قانونی استعمال چاہتے ہو؟ اگر بیرونی خطرہ ہے تو اس کی ضمانت نیو ورلڈ آرڈر دیتا ہے' داخلی امنِ عامہ کے لئے تمہاری اپنی فوج ہے' اور خبردار جو ہمسایہ پر کسی کو جنگ جوئی کی سوجھی!

یہ تھی وہ بنیادی غرض وغایت جس کے لئے کویت پر عراقی قبضے کا ڈرامہ رچایا گیا اور جنگ خلیج بپا ہوئی۔

⑤ پانچواں ہدف ضرر رساں ہے' یعنی ابلاغِ عامہ اور تعلیمی نصاب میں تبدیلی' تاکہ کوئی ایسی بات رہ نہ جائے جو یہودیوں سے دشمنی وعداوت پر اکسانے والی ہو۔ یہ وہی مقصد ہے جسے اسرائیلی وزیراعظم شمایر نے کانفرنس میں اپنی تقریر کے اندر زور دے کر کہا: "تمہارے تعلیمی نصاب سے یہود دشمنی پر مبنی مواد کی تبدیلی ضروری ہے"۔

ابلاغِ عامہ کی سطح پر اور تعلیمی سطح پر صدیوں پر محیط عداوت ودشمنی کو یکمشت ختم ہو جانا چاہئے۔ اب صیہونیت کو قرار آگیا ہے۔ یہودی ایک آزاد ملک کے باسی ہیں جس کا اپنا دارالحکومت یروشلم ہے اور اسے جینے کا پورا حق حاصل ہے۔ اور کسی قانونی ملک کے ساتھ عداوت اور دشمنی کی اجازت نہ ہونی چاہئے۔ عداوت پر محمول تمام شعار کو بتدریج بھلا دینا چاہئے' یہاں تک کہ جو عداوت دینی بنیادوں پر قائم ہے اس کی بھی گنجائش نہیں۔

مصری حکومت ان سفارشات پر عمل پیرا ہے۔ تعلیمی نصاب میں تبدیلی لاکر وہ تمام غزواتِ خارج کر دیئے گئے ہیں جو رسول اللہ ﷺ نے یہودیوں سے کئے' اور یہودیوں کی نبی ﷺ سے دشمنی پر جو معمولی واقعات نصاب میں پڑھائے جاتے تھے وہ بھی خارج کئے جا چکے ہیں۔ حد یہ ہے کہ ٹی وی ملّا قرآن کی تفسیر بیان کرتے ہوئے اُن آیات کو چھوڑ دیتے ہیں جن میں یہودیوں کا ذکر آئے۔ وہ تمام آیات اور حدیثیں جن میں یہودیوں کی اسلام اور مسلمانوں سے دشمنی اور بغض کا ذکر ملتا ہے خارج از نصاب ہیں' جو پہلے ہی انتہائی نرم انداز سے بیان کی گئی تھیں۔ یہ ہے ان کی خواہش اور مقصد جو وہ پورے فلسطین میں حاصل کرنا چاہتے ہیں' یعنی نصاب سے ہر اُس چیز کو خارج کرنا جو مسئلہ فلسطین کے متعلق

ہو۔ اور افسوس تو اس بات پر ہے کہ ہمیں اب تک مسئلہ فلسطین کے متعلق جو کچھ سکولوں اور کالجوں میں پڑھایا گیا ہے اس میں مسئلہ فلسطین کو مذہبی یا دینی کے بجائے عرب یہود سیاسی مسئلہ بنا کر پڑھایا گیا ہے' اب وہ بھی ختم' جبکہ امریکہ میں بیس ہزار سکول اس مسئلہ کو خالص دینی اور توراتی بنیادوں پر پڑھا رہے ہیں۔

⑥ چھٹا ہدف علاقے کی معیشت مکمل طور پر یہودیوں کے کنٹرول میں دینا۔ مغرب کی معیشت کے سامنے ہماری معیشت کی کیا حیثیت ہے' کچھ بھی نہیں۔ اور اگر سودی بنکاری سے یہودی مغرب پر معاشی قبضہ جما سکتے ہیں تو ہمارا علاقہ اُن کے قبضے میں دینے سے کیا ہو گا! چند سالوں میں اس خطے کے تمام ممالک کی معاش اور مالیات کا کلی اختیار رکھنے والے یہودی ہوں گے۔

⑦ ساتواں ہدف خطے کو یہودی اور عیسائی ثقافت سے تلپٹ کرنا اور ثقافتی یلغار کے جلو میں عیسائیت پھیلانا۔

عیسائی منہ چڑھ کر بولتے ہیں کہ خلیج کی جنگ نے ہمارے لئے اُن علاقوں تک دین مسیح کی ترویج آسان بنا دی ہے جن علاقوں کا ہم آج سے پہلے تصور بھی نہ کر سکتے تھے۔ کویت' متحدہ عرب امارات' بحرین ایسے ممالک ہیں جہاں سرعام عیسائیت کی تبلیغ ہو رہی ہے۔ یمن میں مشنری کام بہت بڑی سطح پر ہو رہا ہے۔ اردن کا تو یہ حال ہے کہ میڈرڈ کانفرنس میں اردن کا نمائندہ ایک عیسائی تھا۔

اردن میں عیسائیت پھیلانے کے لئے بڑا جامع پروگرام بنایا جا رہا ہے۔ اس طرح بیشتر عرب ممالک عیسائیت کے محاصرے میں ہیں۔ عیسائیت پھیلانے کے لئے کن ممالک کا انتخاب کیا گیا ہے؟ عرب ممالک' والعیاذ باللہ! مگر وہ عنقریب اس کام کی ابتداء کرنے والے ہیں۔ اللہ انہیں غارت کرے۔

⑧ توقع ہے کہ اسلام کی غلط تصویر معاشرے کی ہر سطح پر پیش کی جائے گی' کیونکہ ابلاغِ عامہ کی قوت ان کے ہاتھ میں ہے۔ اور اس مقصد کے حصول کے لئے عرب صحافت بھی ان کے شانہ بشانہ چلے گی جس کے لئے تبلیغی علماء کی شہرت کو داغ دار کرنا اور تاریخ اسلام کو مسخ شدہ صورت میں پیش کرنا شامل ہے۔ یہ سب ہونے والا ہے' خواہ کچھ دیر

ٹھہر کر ہی ہو۔

⑨ خلیج کے تیل اور پانیوں پر ڈاکہ زنی اور اس علاقے کو یہودیوں اور امریکیوں کے زیر تسلط لانا۔ تیل تو تقریباً جا چکا ہے اور پانی کا ٹنٹا نپٹانا باقی ہے۔ یہ بات انہوں نے صراحت سے کہی ہے کہ تیل اور پانی کی جنگ ناگزیر ہے۔ اسرائیل کے لئے جن دریاؤں کا پانی حاصل کیا جائے گا وہ یہ ہیں : دریائے فرات' دریائے عاصی' دریائے لیطانی اور دریائے اردن۔ یہاں تک کہ نیل سے زیر زمین نہریں نکال کر اسرائیلی زمینوں کو سیراب کیا جائے گا اس پر بس نہیں' بلکہ سعودی عرب کے شمالی علاقہ جات میں جو زیر زمین پانی پایا جاتا ہے اس سے اسرائیل تک پانی پہنچایا جائے گا' تاکہ نئی یہودی بستیوں کے لئے وافر مقدار میں پانی فراہم ہو سکے۔ اور اس بات کے کافی قرائن ہیں کہ آنے والی جنگ حصولِ آب کی جنگ ہو۔ ہو سکتا ہے کہ ترکی اور شام کے درمیان جنگ کی آگ بھڑکائی جائے جس کے بہانے امریکہ اپنی فوجیں علاقے میں اتارے۔ اور اس جنگ کے نتیجے میں ایک طرف شام کی فوجی قوت کم ہو گی تو دوسری طرف پانی کی تقسیم کا مسئلہ بھی حل ہو جائے گا۔ ترکی چونکہ نیٹو کا ممبر ہے اس لئے فریقین کی جنگ میں امریکہ کے کودنے کا قانونی جواز بھی ہو گا۔ مغرب میں ایک عرصے سے منصوبہ بندی ہو رہی ہے کہ نیٹو ممالک میں بھی اضافہ کیا جائے اور اس کی جنگی صلاحیت بھی مؤثر بنائی جائے' جس کے لئے مشرقی ممالک کو نیٹو کا ممبر بنایا جائے گا۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ نیٹو کی قوت کس کے خلاف بڑھائی جا رہی ہے؟ مشرقی بلاک اور مغربی بلاک کی متحدہ قوت سے ہی وہ دراصل اپنے مشترکہ دشمن کا سر کچلنا چاہتے ہیں اور یہ مشترکہ دشمن ہمارے علاوہ اور کوئی نہیں۔

کہا جاتا ہے کہ حصولِ آب کی جنگ چھڑنے میں تھوڑا ہی عرصہ رہ گیا ہے۔

⑩ علاقے کو اخلاقی پستی اور گراوٹ میں دھکیلنا۔ یہ یہودیوں کا پرانا اور آزمودہ حربہ ہے جسے وہ کئی جگہوں پر کامیابی سے استعمال کر چکے ہیں۔ پورے خطے کو اخلاقی پستی میں دھکیلنے کے لئے سیر و سیاحت کو فروغ دیا جائے گا۔ تمام ممالک کو نشہ آور اشیاء' زنا کاری اور ننگی فلموں کے چلن سے شدید خطرہ ہے۔ یہودیوں کا تمام گند اس علاقے میں

انڈیلا جائے گا۔ حال ہی میں ہمارے اخبارات اور دیگر غیر ملکی اخبارات نے یہ خبر نشر کی' جسے آپ نے بھی پڑھا ہو گا' کہ کس طرح اسرائیل نے ایڈز زدہ رنڈیاں مصر میں بھیجیں۔ مصر چونکہ علم و حکمت کا گڑھ ہے' اس لئے پہلے اسے نشانہ بنایا گیا ہے' مگر باقی ممالک میں بھی کچھ عرصے میں یہ گند پہنچنے والا ہے۔ والعیاذ باللہ!

⑪ ان علاقوں میں یہودیوں کے جاسوسی اڈے قائم کرنا جہاں ان اڈوں کی موجودگی کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ یہ نہایت اہم ہدف ہے' کیونکہ اسرائیل اپنی منصوبہ بندی کرنے سے پہلے مسلمانوں کے ممالک کا بھرپور جائزہ لینا چاہے گا جس سے وہ اسلامی بیداری کی ماہیت اور حقیقت تک پہنچنے کی کوشش کرے گا' تاکہ اپنے حقیقی دشمنوں کو پہچان سکے۔ اور احتیاطاً اُن ممالک کی فوجی قوّت کا جائزہ بھی لینا چاہے گا' اگرچہ پہلے بھی اسرائیل سے کوئی چیز پوشیدہ نہیں۔

⑫ ایک اور امکان یہ بھی ہو سکتا ہے کہ شاید یہودیوں کے آثارِ قدیمہ دریافت کئے جائیں۔ یہودیوں کا ایک یہ بھی دعویٰ ہے کہ جس خطے سے وہ زمانۂ قدیم میں نکلے تھے وہ مصر کے بجائے سعودیہ کا جنوبی علاقہ تھا۔ یہ بات ایک یہودی نے اپنے پی ایچ ڈی کے مقالے میں لکھی ہے اور صاحب مقالہ نے ابہا اور اس کے نواحی علاقوں کا دورہ کیا اور دعویٰ کیا کہ تورات میں مذکورہ علاقے یہی بنتے ہیں۔ اگرچہ اس کا رد لکھا جا چکا ہے' مگر یہودیوں کے ہاں یہ شعور پیدا ہو رہا ہے۔ اسی طرح اُن کا یہ بھی خیال ہے کہ "اصحابُ الاخدود" کو زندہ درگور کرنے کے لئے جس بادشاہ نے کنویں کھدوائے تھے وہ بھی یہودی تھا۔ گویا یہودیوں کی ان علاقوں میں پرانی تہذیب ہے اور اس کے آثار پائے جاتے ہیں۔ اسی طرح خیبر کا علاقہ' مدینہ منورہ۔ یہ سب حجت بازی صرف اسی لئے ہے کہ ارضِ مقدس کو یہودیوں کا خطہ منوایا جائے۔ اللہ انہیں نیست و نابود کرے! (آمین)

یہ چند اہداف نہیں' کینہ و بغض ہے جو اِن یہودیوں کے منہ سے پھوٹ رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ اِن تمام علاقوں کو اپنی حفاظت و امان میں رکھے اور ہمیں اِن ظالموں کے شر سے محفوظ رکھے۔

تجاویز

آخر میں یہ جان لینے کے بعد کہ اللہ تعالیٰ کا سچا وعدہ کن کے ساتھ ہے اور من گھڑت جھوٹے وعدے کی کیا حقیقت ہے' ہمیں اب اپنی ذمہ داریاں اور فرائض دیکھنے ہیں۔ اس مختصر نشست میں ہمیں یہودیوں کے پروگرام اور مستقبل کی منصوبہ بندی جاننے کا موقع ملا۔ اب آخر میں یہ رہ جاتا ہے کہ ہمارے کرنے کا کام کیا ہے اور ہم پر کیا فرض عائد ہوتا ہے۔ مختصر وقت میں میں نے آپ کے سامنے جو باتیں اور اہداف بیان کئے یہ میں نے اپنی سمجھ کے مطابق بیان کئے ہیں۔ آپ ان باتوں پر غور و فکر کر کے مزید اہداف بھی معلوم کر سکتے ہیں۔ بلکہ ہم آپس میں دینی بھائی ہیں اور بھلائی و نیکی کے کاموں میں ایک دوسرے کے معاون و مددگار ہیں۔ ہم سب دعوتی میدان میں ہیں۔ اگرچہ اس دعوت میں کمزوریاں اور نقائص ہی سہی لیکن ہم اللہ تعالیٰ پر بھروسہ رکھتے ہیں اور اسی کی ذات پر یقین رکھتے ہیں۔

میں آپ کے سامنے جو حل پیش کر رہا ہوں یہ حتمی نہیں' بلکہ اِن نکات پر بحث و تمحیص اور مشاورت سے ہم اس سے بھی بہتر حل تک پہنچ سکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ﴿ وَاَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ ﴾

① عقیدے کا صحیح ادراک پوری اُمّت میں پیدا کرنا' یعنی صحیح عقیدے کی پہچان معاشرے کی ہر سطح پر کرائی جائے۔ پڑھے لکھے دانش وروں سے لے کر عوام الناس تک معاشرے کے تمام باشندوں تک صحیح اور درست عقیدہ پہنچانا' خاص کر "وِلاء" اور "براء" کا عقیدہ' یعنی دوستی اور دشمنی کا معیار عقیدے کو بنانا اور اسلام جس معرکہ کو اٹھانا چاہتا ہے اس کا بھرپور اعلان کرنا اور اس بات کا بھی اعلان کرنا کہ میڈرڈ کانفرنس میں اسلام کی نمائندگی رتی برابر نہیں' جس میں قال اللہ کی گونج سنی گئی اور نہ قال رسول اللہ ﷺ کی' اور نہ کسی مندوب کو یہ کہنے کی جسارت ہوئی کہ یروشلم مسلمانوں کا خطّہ ہے۔ مسئلہ فلسطین ہم سب کا مشترکہ مسئلہ ہے۔ ہمیں اِدھر اُدھر کی باتوں میں اور پُرفریب توقعات میں پڑے بغیر مسئلہ کی اصل حقیقت کو جاننا چاہئے۔ یہ مسئلہ اسلام اور دین کا مسئلہ

ہے' صرف فلسطینیوں کا خاص نہیں' بلکہ ہر مسلمان کے دین کا مسئلہ ہے جو قیامت تک رہے گا۔ ہمیں اس بات کا ببانگ دہل اعلان کرنا ہو گا۔

② مسجد کے کردار کو فعّال بنایا جائے' کیونکہ ابلاغِ عامہ اور ثقافتی یلغار کا مقابلہ کرنے کے لئے ہمارے پاس مسجد کے علاوہ کوئی اور ذریعہ نہیں۔ الحمدللہ مسجد کے اثرات گہرے اور دُور رس ہوتے ہیں جس کا فائدہ اٹھانا چاہئے۔ مصنوعی سیاروں کی مدد سے جو ثقافتی اور فکری یلغار کی جا رہی ہے اِس کے مقابلے میں ہمارا ہتھیار مسجد ہے جو ہر جگہ دستیاب ہے۔ اللہ تعالیٰ ہماری معمولی کوشش میں بھی برکت فرمائیں گے۔

③ علاقائی سطح پر پوری دنیا میں اہل سُنّت والجماعت کے مابین اتحاد قائم کرنا' جو بالآخر ایک متحد اُمّت بنانے پر منتج ہو اور جس کا راستہ سلف صالحین کے منہج پر ہو۔ اس اتحاد کی پہلی بنیاد تو خود اہل سُنّت والجماعت کا عقیدہ ہے' عقیدہ بھی ایک اور راستہ بھی ایک۔ آخر یہ فرقہ بازی کیوں رہے جبکہ یہود و نصاریٰ اور مشرق و مغرب متحد ہوں! ضروری ہے کہ مسلمانوں کو عملی اور دعوتی سطح پر مل کر کام کرنا چاہئے۔ ہماری دعوت کی نوعیت عقیدۂ توحید کی اشاعت ہے نہ کہ حکومتی سطح پر کوئی تبدیلی لانا' جیسا کہ فریب کاروں نے پروپیگنڈہ کر رکھا ہے۔ ہم کسی کو ہتھیار اٹھانے کی دعوت نہیں دے رہے' ہماری خواہش صرف اتنی ہے کہ صحیح عقیدے کی اشاعت کے لئے اکٹھا ہوا جائے۔ اور اگر کوئی اس میں آڑے آئے اور اِتمامِ حجت ہو چکے تو اللہ تعالیٰ اُن کے خلاف ہماری نصرت فرمائے گا' جو اِس دعوت سے اتفاق کرے تو ہم اس سے یہی کہیں گے کہ پُر اُمید رہو' یہ بہت ہے۔

اہل سُنّت والجماعت کا اتفاق سب سے پہلے خود اُن کے اپنے وجود کی پہچان کے لئے ضروری ہے' قبل اس کے کہ یہ اتفاق کسی دوسرے کے خلاف ہو' جیسا کہ کچھ لوگ سمجھتے ہیں۔ سُنّت کے زندہ کرنے اور اہل سُنّت کے ناتواں جسم میں روح پھونکنے کے لئے یہ اتحاد ناگزیر ہے' تاکہ یہ جسم کہیں تہذیبی یلغار کی تند رو میں بہہ نہ جائے۔

④ بدعات' شرکیات' خرافات اور گمراہیوں کے خلاف جنگ کرنے سے لوگوں کے اندر دجال اور دجال کی شعبدہ بازیوں سے کفر کرنے کا رجحان پیدا ہو گا' کیونکہ دجال پر

ایمان لانے والے خرافات کے پیچھے دوڑنے والے ہوں گے۔ عام لوگ بے سروپا باتوں کے معتقد بنتے جارہے ہیں۔ اس لئے صحیح عقیدے کی دعوت اور سلف صالحین کا منہج عام کرنا نہایت ضروری ہے جو اہل سُنّت کے باہمی مربوط تعاون سے ممکن ہے۔ اس مقصد کے حصول کے لئے ہمیں اجتہادی مسائل میں اختلافات کو ہوا دے کر اہل سُنّت میں پھوٹ ڈالنے سے بچنا چاہئے۔ اہل سُنّت کے مختلف گروہوں اور علماء کے باہمی اختلافات کو افہام و تفہیم کی چاشنی اور محبت کی فضا میں رہ کر دُور کرنا چاہئے اور عوام الناس کو اِس مخمصے سے دُور رکھ کر علماء کو آپس میں گفت و شنید کرنی چاہئے۔ اور اگر کوئی گروہ دھوکہ لگنے سے' یا انجانے پن میں یا جذبات کی رو میں بہہ کر اہل سُنّت پر زیادتی کرے تو اسے خاموشی اور صبر سے سہنا چاہئے اور ردِّ عمل میں ویسا طرزِ عمل نہ اپنایا جائے' مبادا اہل سُنّت مزید فتنوں میں پڑیں۔ صبر اور مستقل مزاجی سے اگلے مرحلے میں پہنچنا چاہئے۔ ان شاء اللہ آپ دیکھیں گے کہ چند دنوں میں لوگ انہیں نظرانداز کردیں گے اور اُمّت کو یہ سمجھنے میں دیر نہ لگے گی کہ ان کے مخالفین دشمن کے آلہ کار بنے ہوئے ہیں' اور ہو سکتا ہے کہ انہیں خود بھی اس کا احساس نہ ہو۔

⑤ سود کی بیخ کنی کے لئے اسلامی بینکوں کا قیام عمل میں لایا جائے۔ شیخ بن باز مدّ ظلّہٗ نے سعودی عرب میں بلا سود بینکاری کا عندیہ دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ انہیں جزائے خیر دے۔ بلا سود بینکاری کی طرف قدم اٹھانا نہایت خوش آئند ہے۔ اگر وقت ہوتا تو میں اس پہلو پر تفصیل سے گفتگو کرتا۔

⑥ تعلیمی نصاب میں جو بتدریج تبدیلی کا خطرہ ہے اس سے خبردار اور آگاہ رہنا چاہئے۔ علماء کو اِسی نصاب کو باقی رکھنے پر پورا زور لگانا چاہئے۔ ایسا نہ ہو کہ ہماری غفلت سے نصابِ تعلیم اور طریقہ تعلیم میں اُن مقامات کو حذف کردیا جائے یا اُن کا سرے سے ذکر ہی نہ کیا جائے جن مقامات کے حذف کرنے کا یہودیوں نے کہا ہے۔

شعبہ تعلیم میں یہ تبدیلی خواہ انجانے میں لائی جائے یا عمداً' ہمیں اس پہلو پر گہری نظر رکھنی ہے' بلکہ ان آیات یا احادیث کی تشریح میں طالب علموں کے سامنے اپنی طرف سے بھی اضافہ کرنا چاہئے' تاکہ یہ تشریح واقعاتی ہو۔

⑦ وعدۂ حق یاد دلا کر اُمّت کو پُر امید کیا جائے جس کا عہد اللہ تعالیٰ نے کیا ہے اور قرآن و حدیث کے دلائل اور واقعاتی صورتِ حال سے اس کی سچائی دلوں میں بٹھائی جائے' تاکہ اُمّت پر مایوسی طاری نہ ہو۔ اُمّتِ اسلامی مایوسی سے کبھی واقف نہیں رہی' ہماری پوری تاریخ میں اس کی مثال نہیں ملتی۔ اور ہمیں اللہ تعالیٰ پر بھروسہ رکھنا چاہئے کہ وہ ہماری نصرت فرمائے گا خواہ اس میں کچھ دیر ہی ہو جائے : ﴿ وَلَيَنْصُرَنَّ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ ﴾ "اللہ ضرور اُن لوگوں کی مدد کرے گا جو اُس کی مدد کریں گے"۔

⑧ یورپ میں بالعموم اور امریکہ میں بالخصوص دعوت کے کام کو بڑھانا اور اِن ملکوں میں مقیم مسلمانوں کے لئے لائحہ عمل فراہم کرنا۔ اس طرح میری یورپ میں بسنے والے مسلمانوں سے خصوصی اور مقامی مسلمانوں سے عمومی گزارش ہے کہ وہ اہل کتاب کی بنیاد پرست تنظیموں پر گہری نظر رکھیں' اپنے دین پر پوری طرح کاربند رہیں اور اِس کے بعد یورپ کو دعوتِ اسلام دیں۔

محترم بھائیو! امریکیوں میں یہ سب کچھ ہونے کے باوجود جو ہم نے سنا' خیر کا پہلو ختم نہیں ہو گیا۔ لاکھوں امریکی اسلام قبول کرنے کی طرف راغب کئے جاسکتے ہیں اور امریکہ میں قبولِ مذہب کی مکمل آزادی ہے۔ اگر مسلمان وہاں ٹی وی سٹیشن چلانے کی استعداد میں ہوں تو اس ذریعے کو دعوت کے لئے استعمال میں لانا چاہئے' بالکل اسی قانونی جواز کی بنیاد پر جس سے یہود و نصاریٰ کو اپنا ٹی وی سٹیشن چلانے کی اجازت ہے۔ امریکہ برطانیہ اور فرانس سے اس لحاظ سے مختلف ہے کہ یہ دونوں ممالک اسلامی شعار اپنانے سے جبراً منع کرتے ہیں۔ میں امریکہ کی تعریف نہیں کر رہا' کیونکہ امریکہ بھی اسلام دشمنی میں کچھ کم نہیں' لیکن ہمیں دوسروں کے معاملے میں انصاف کرنے کا حکم ہے ﴿ اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ ﴾ "اللہ عدل اور احسان کا حکم دیتا ہے"۔ اور دوسری جگہ فرمایا : ﴿ وَاِذَا قُلْتُمْ فَاعْدِلُوْا ﴾ "اور جب بات کہو انصاف کی کہو"۔

ہمیں معاشروں کی درجہ بندی میں اللہ کا حکم ماننا ہے۔ امریکہ میں مذہبی آزادی کی وجہ یہ ہے کہ اِس کا دستور کلیسا اور حکومت کو الگ الگ کرتا ہے اور مذہب حکومت میں قطعی دخل انداز نہیں ہو سکتا۔ اس سے مراد یہ ہے کہ امریکی حکومت دینی مدارس پر ایک

پیسہ بھی خرچ نہ کرے گی' لیکن دوسری طرف تمام مذاہب کو اپنے تعلیمی مراکز کھولنے کی مکمل اور یکساں آزادی ہے۔ یہ مراکز ٹیکس سے مستثنیٰ ہوتے ہیں اور انہیں رفاہِ عامہ میں شمار کیا جاتا ہے' گویا یہ رقم ملک میں رفاہی کاموں پر صرف ہوئی۔ بجائے اس کے کہ حکومت اپنے عبادت خانے کھول کر خود ایک فرقہ وارانہ مصیبت اپنے گلے میں ڈالے' دینی گروہوں کو اپنے عبادت خانے اور تعلیمی مراکز کھولنے کی اجازت دے دی ہے' خواہ کوئی مذہب ہو۔ اس لئے جو مذہب زیادہ سرگرم ہو گا وہ زیادہ پھیلے گا۔ اور مستقبل قریب میں امریکی دستور کے اندر کسی تبدیلی کا امکان نہیں۔ اس لئے اگر وہاں کے مسلمان ہمت کریں تو دعوت کا کام ٹھوس بنیادوں پر ہو سکتا ہے۔ اور کیتھولک فرقے کے اُن افراد کو ہرگز نظرانداز نہیں کرنا چاہئے جو یہودیوں سے ناراض ہیں اور اُن سے کٹے ہوئے ہیں۔

⑨ سیاسی بیان بازی کے بجائے فلسطینیوں کا بھرپور عملی ساتھ دینا چاہئے۔ مال کے ساتھ مدد کرنا اور مال سے بھی پہلے دعوت سے مدد کرنا' اُن تک ضروری کتابوں کی فراہمی کو آسان بنانا اور اس کے علاوہ دوسری ضروریات مہیا کرنا' اور مقبوضہ علاقوں میں فلسطینیوں کی موجودگی کو نہایت ضروری سمجھنا اور ان کی آبادی میں اضافے کو ممکن بنانا' جس کے لئے اُن فلسطینیوں کی واپسی کی صورت نکالنا جو بیرونِ ملک مقیم ہیں' کیونکہ اسرائیل کا موقف آبادی میں کمی کی وجہ سے سیاسی اور نفسیاتی سطح پر نہایت بودا ہے' ہمیں یہ کام ضرور کرنا چاہئے۔ اور اگر سرحدیں کھل گئیں تو اس موقع سے ضرور فائدہ اٹھانا چاہئے۔ امریکی اسرائیلی مملکت کے لئے کروڑوں کی امداد دیتے ہیں۔ امریکہ میں تقریباً پچاس لاکھ مسلمان ہیں' یورپ میں یہ تعداد اس سے بھی زیادہ ہے' یہ مسلمان آخر کیوں اپنے بھائیوں کی امداد میں پیچھے رہیں! ایسا مسلمان جو امریکی شہریت حاصل کر چکا ہے وہ آسانی سے اسرائیل آ جا سکتا ہے اور جتنی رقم اپنے ساتھ لے جانا چاہے لے جا سکتا ہے' کیونکہ وہ امریکی ہے' پھر آخر اس موقع سے فائدہ نہ اٹھانے میں کیا چیز کارفرما ہے؟ فلسطینیوں کی امداد کرنے کی اور بھی کئی صورتیں نکالی جا سکتی ہیں' مگر وقت کی کمی کی وجہ سے انہیں رہنے دیتے ہیں۔

ان دشمنوں کے بینکوں سے اپنی رقومات نکال کر اُسے اُمّت کے اہم مسائل حل

کرنے میں استعمال کیا جائے' وہ مسائل جو پوری دنیا کے طول و عرض میں پھیلی اُمّتِ اسلامی کو درپیش ہیں۔

⑩ ہمیں اپنی روزمرہ کی زندگی سے فضول خرچی اور عیش و عشرت کو نکالنا ہو گا اور اپنے تمام وسائل کو مجتمع کر کے اس دشمن کا مقابلہ کرنا ہو گا جس نے مکڑی کی طرح اپنا جال پھیلا رکھا ہے۔ اپنی تنخواہ اور روزمرہ آمدنی سے ایک حصّہ بچا کر اِس مد میں لگانا ہے۔ اس کے علاوہ اپنے وقت کی بھی قربانی دینی ہو گی۔ ہمارا سامنا وقت کی بہت بڑی قوّت کے ساتھ ہے۔ یہ جنگ فتح و شکست سے زیادہ بقاء کی جنگ ہے۔ ہمارا دشمن اُمّتِ محمدیؐ کا نام و نشان مٹا دینا چاہتا ہے' ہمیں غلامی کی دلدل میں دھکیلنا چاہتا ہے' جیسے وہ کنعانیوں کے متعلق بارہا کہہ چکے ہیں "وہ یہود و نصاریٰ کے غلاموں کا غلام ہو"۔

⑪ مبلغین پر' علماء پر' خطیبوں پر اور پوری اُمّت پر یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ وہ فوجی صلاحیت بڑھانے پر زور دیں۔ اور اس سے زیادہ ضروری فوج کی اصلاح ہے' اور ایمان و جہاد پر اُن کی تربیت کرنا ہے اور اسی طرح علمی و فنّی مہارت بڑھانا ہے اور اپنے اندر ایجاد و اختراع کی روح پیدا کرنی ہے' تاکہ ہم اپنی صلاحیتوں کے بل بوتے پر اسلحہ تیار کر سکیں جو دشمن کے اسلحہ کے ہم پلہ ہو۔

ہمیں نیو ورلڈ آرڈر کے بہکاوے میں ہرگز نہ آنا چاہئے جس میں امن و سلامتی کا ڈھکوسلا دیا گیا ہے اور کسی دوسرے ملک کے لئے فوج رکھنے کی ضرورت سے انکار کیا گیا ہے۔ ہمیں اسلحہ بہتر سے بہتر بنانے کی طرف قدم بڑھانا چاہئے۔ آپ شاید جانتے ہوں کہ امریکہ خود بعض چیزیں جاپان سے بنواتا ہے۔ امریکہ جاپان کو مطلوبہ آرڈر دیتا ہے اور وہ مطلوبہ چیز بنا دیتے ہیں۔ ہمارے پاس روپے کی کمی نہیں' ہم بھی اپنی من پسند اشیاء جاپان سے آرڈر پر بنوا سکتے ہیں' لیکن اس کا مقصد خود اپنے اندر فنی صلاحیت پیدا کرنا ہو۔ ابتدائی مرحلے میں یہ طریقہ کار آمد ہو سکتا ہے۔ اگر ہم سنجیدگی سے اللہ پر توکّل کرتے ہوئے اس جانب قدم بڑھائیں اور محنت کریں تو اللہ تعالیٰ خیر و برکات نازل کرے گا' ان شاء اللہ۔

اللہ کی قسم! اگر خلیجی ممالک کو مال خرچ کرنے کا ڈھنگ آ جائے تو ہم پیسے کے زور پر

بلا مبالغہ امریکی انتخابات پر اثر انداز ہو سکتے ہیں' اور اپنی پسند کے آدمی کو صدارتی الیکشن میں کھڑا کر سکتے ہیں اور پیسے کے زور پر اُسے اپنا حامی بنایا جا سکتا ہے۔ اس کی کئی مثالیں امریکہ میں موجود ہیں۔ خود صدر بش کا اپنا بیان ہے کہ اس کے پاس انتخابی مہم چلانے کے لئے مطلوبہ سرمایہ نہ تھا۔ جس امیدوار کا جیتنے کا امکان ہو ہم اسے سرمایہ فراہم کر سکتے ہیں' خواہ اس سرمائے کا معمولی اثر ہی ہو۔ اس لئے ہمیں اپنے وسائل دانش مندی سے مستقبل کو سامنے رکھ کر استعمال کرنے چاہئیں اور آنے والی نسلوں کے لئے وسائل بچا کر رکھنے چاہئیں۔ معرکہ چھڑنے والا ہے' اور یہ طویل معرکہ ہے۔ کاروباری منافع سے ہٹ کر اُمّت کے مجموعی فائدے کو ترجیح دینی چاہئے۔ یہ غیر ملکی کمپنیاں صرف منافع خور ہیں اور اپنی لالچ کے لئے کام کرتی ہیں' ہمارا ہی خام مال سستے داموں خرید کر پھر دوبارہ ہمیں مہنگے داموں پر بیچتے ہیں اور یہ منافع اگلے معرکے کی تیاری پر صرف کرتے ہیں۔

اس مختصر نشست میں مَیں نے آپ کے سامنے اصل دشمن کے بے نقاب کرنے کی کوشش کی ہے اور ان کے عزائم بھی آپ کے سامنے پیش کئے ہیں اور عملی اقدامات بھی آپ کے گوش گزار کئے ہیں۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ یہ باتیں ہمارے دل میں اتر جائیں۔

ڈاکٹر اسرار احمد

کی تالیف

"استحکامِ پاکستان"

اس کتاب کا مطالعہ خود بھی کیجئے اور اسے زیادہ سے زیادہ عام کیجئے

مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور